طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر ہوا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ		بدل اشتراک
-/15 روپے	ٹیلیفون: 5714546/5753666 idara@toluislam.com خط و کتابت ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25 بی گلبرگ 2 لاہور	سالانہ پاکستان -170 روپے غیرممالک -800 روپے

جلد 53 — مارچ 2000 — شمارہ نمبر 03

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)

بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)

محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

اکاؤنٹنٹ : مرزا زمرد بیگ

سرکولیشن مینجر و کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری

ناظم :- اقبال ادریس

ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور --- فون: 7232584

فہرست

معات	ادارہ	3
ایک طاہرہ بیٹی کا خط	ماخوذ از طلوع اسلام	6
مسیح اور مہدی کب آ رہے ہیں؟	ڈاکٹر شبیر احمد	15
لغات القرآن (ر-ح-م)	ادارہ	21
پرویزیت--اسلام کے خلاف ایک فتنہ جانکاہ؟	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	25
جب تک زندگی ہے" زندہ رہئے!	عاطف طفیل	33
کارکنان / احباب اور متفقین تحریک طلوع اسلام کے نام	اقبال ادریس- ناظم ادارہ	36
حقائق و عبر	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	38

ENGLISH SECTION

1- Is Renaissance Possible In an Islamic Society?
By Ms. Shamim Anwar 49

2- Agenda For Islamic Economic Reform
Report of the Committee on Islamisation, 1980. 57

3- Open Letter to the Honourable Chief Executive of Pakistan
By Dr. Syed Abdul Wadud 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

23 دسمبر 1999ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان کے شرعی اپیلنٹ بنچ نے سود کی تمام اشکال کو پاکستان میں ممنوع قرار دے دیا۔ یہ فیصلہ حکومت کی اس اپیل پر سنایا گیا جو 1999ء میں سود کے متعلق شرعی عدالت کے فیصلہ کے خلاف دائر کی گئی تھی۔ فیصلہ کا مکمل متن تاحال منظر عام پر نہیں آیا' اس لیے اس پر تفصیلی تبصرہ ناممکن ہے۔ علمائے کرام نے عدالتِ عظمیٰ کے اس فیصلے کا حسبِ روایت گرم جوشی سے خیر مقدم کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ سود کے خاتمے کیلئے فوری طور پر اقدامات کیے جائیں' لیکن کسی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ ملک میں مروّجہ سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں سود کا خاتمہ کس طرح ممکن العمل ہو گا۔

آج کل یہ غلط فہمی عام ہے کہ ربٰو سے مراد محض سود ہے اور اگر سود ختم کر دیا جائے تو سارا اقتصادی نظام اسلامی ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے نظامِ سرمایہ داری کیلئے ربٰو کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ربٰو سے مراد محض سود یا منافع نہیں بلکہ اس سے مراد پورے کا پورا نظامِ سرمایہ داری ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً

اے جماعتِ مومنین اس نظامِ خداوندی میں جو امن و سلامتی کا ضامن ہے' اجتماعی طور پر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ (2:208)۔

اسلام کا معاشی نظام کوئی الگ تھلگ نظام نہیں۔ یہ درحقیقت اس کے پورے نظامِ زندگی کا ایک جزو ہے۔ نظامِ سرمایہ داری یعنی الربٰو اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نظامِ سرمایہ داری کی جگہ قرآن کا معاشی نظام قائم کر دیا جائے تو الربٰو کا خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (17:81)۔

حق کے آنے پر باطل کافور ہو جاتا ہے۔ جیسے روشنی کی ایک کرن سے تاریکی ختم ہو جاتی ہے۔ روشنی نہ ہو تو تاریکی کی ذرہ برابر بھی اصلاح ممکن نہیں۔ کفر اور اسلام' مذہب اور دین' نظامِ سرمایہ داری (الربٰو) اور قرآنی نظامِ ربوبیت کی یہی کیفیت ہے۔

قرآنی نظامِ معیشت کے موضوع پر طلوعِ اسلام میں بڑی تفصیل اور تکرار سے لکھا جا چکا ہے اس لیے اس مقام پر اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اشارات میں یوں سمجھئے کہ :

(1) تمام افراد کے رزق (ضروریاتِ زندگی) مہیا کرنے کی ذمہ داری اس نظام کے سر ہوتی ہے۔ جو اقدارِ خداوندی کے مطابق قائم ہو۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (11:6)۔

(2) یہ مقصد اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ بنیادی سرچشمۂ رزق' ارض پر کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو بلکہ یہ اس نظام کی تحویل میں رہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (45:27)۔

(3) اس میں ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق محنت کرے۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (53:39)۔

(4) اس محنت کے ماحصل میں سے صرف اپنی ضروریات کیلئے لے' باقی سب اپنے دل و دماغ کی کامل رضامندی سے دوسرے ضرورت مندوں کیلئے چھوڑ دے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (2:219)۔

(5) بلکہ عندالضرورت، جن لوگوں کی ضرورت زیادہ ہو انہیں اپنے آپ پر بھی ترجیح دے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (59:9)-

اس طرح کسی کے پاس نہ فاضلہ دولت رہتی ہے، نہ اس کے استعمال کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اصولاً" معاوضہ محنت کا ہوتا ہے۔ سرمایہ کا نہیں۔ سرمایہ کا معاوضہ ربٰو کہلاتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ موجودہ نظامِ سرمایہ داری اور قرآنی نظامِ حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نظامِ سرمایہ داری کو قائم رکھتے ہوئے اسے پیوند سازی سے اسلامی بنانے کی کوششیں ابلہ فریبی یا خدافریبی نہیں تو خود فریبی ضرور ثابت ہوں گی۔ اس سے وقت، دولت، توانائی کے ضیاع کے علاوہ اسلام کے متعلق طرح طرح کے الجھاؤ اور شکوک پیدا ہو سکتے ہیں۔

آج اسلام زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔ اور غیر تو غیر خود ہماری اپنی نئی نسل کے نوجوان (شاید آخری بار) یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ واقعی نوعِ انسان کی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے یا ہم محض اپنے مقدس جذبات کی رُو سے بلا سوچے سمجھے ایسا کہتے چلے آرہے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے دیکھیے تو یہ بڑا اہم موڑ ہے اور بڑا ہی نازک مرحلہ، جس میں ہم قدم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری اصحابِ فکر و دانش اور اربابِ حل و عقد سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ معاشیات سے متعلق تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر دیکھ لیں کہ ایسا نظام جزوی طور پر قائم کرنا ممکن بھی ہے جس میں ربٰو کو ختم کر دیا جائے اور کیا محض اس کے ختم کرنے سے وہ معاشی نظام قائم ہو جائے گا جو ہماری تمام اقتصادی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھے گا۔ یہ اس لئے کہ اگر یہ نظام اس قسم کے نتائج پیدا نہ کر سکا، فلہٰذا ناکام رہا تو دنیا اسے خود اسلام کی ناکامی تصور کرے گی۔ اور یہ اتنا بڑا نقصان ہو گا جس کی تلافی ناممکن ہو جائے گی۔

اوقات دفاتر طلوع اسلام

احباب کی سہولت کے لئے مطلع کیا جاتا ہے کہ طلوع اسلام کے جملہ دفاتر صبح 9 بجے سے شام 4 بجے تک کھلے ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر ایک بجے بند کر دیا جاتا ہے۔ تعطیل اتوار کے بجائے ہفتہ کے روز ہوتی ہے۔

ہفتہ کے دن دفاتر مکمل طور پر بند ہوتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک طاہرہ بیٹی کا خط

ہمارے اچھے بابا جی!

میں آپ کی ایک "طاہرہ بیٹی" ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بچیاں آپ کو "بابا جی" کہہ کر پکارتی ہیں۔ میں بھی آپ کی بچی ہوں اس لئے میں نے بھی آپ کو اسی القاب سے خطاب کرنا اچھا سمجھا ہے۔ میں کافی عرصہ سے آپ کے قرآنی خیالات سے متاثر ہوں۔ میں آپ کو پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ خط اب آپ کے لئے راحت کا موجب نہیں پریشانی کا باعث ہو گا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ بیٹیاں ماں باپ کے لئے ہوتی ہی پریشانی کا باعث ہیں۔ میں اس سے مستثنیٰ کیسے ہو سکتی ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ لڑکیوں کو خدا پیدا ہی پریشانی کا موجب بننے کے لئے کرتا ہے۔ (کبھی میرا بھی یہی خیال ہوتا تھا لیکن آپ کی تعلیم کے بعد یہ خیال باقی نہیں رہا)۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں لڑکیاں ہوتی ہی پریشانی کا موجب ہیں۔ یہ پیدا ہوتی ہے تو گھر میں سوگ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس کا گلا گھونٹ دینا قانوناً جرم ہے اس لئے اسے زندہ رہنے دیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جسے اس مجبوری کے ماتحت زندہ رکھا جائے' اس کی گھر میں کیا قدر ہو سکتی ہے۔ یہ جوں جوں بڑی ہوتی جاتی ہے' ماں باپ کی چھاتی پر بوجھ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کی پرورش کی جاتی ہے تو اس لئے کہ یہ "پرایا دھن" ہوتی ہے۔ یعنی دوسروں کا مال جو ان کے پاس بطور امانت رکھا ہوتا ہے اور اس امانت کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس کی ہر نقل و حرکت پر اس طرح کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے جس طرح جیل خانہ کا وارڈن' ناقابل اعتماد قیدیوں پر خاص نگاہ رکھتا ہے۔ اس کی ماں سے جب کوئی ملنے والی گلہ کرتی ہے کہ وہ اتنے عرصہ سے ملنے تک کے لئے بھی نہیں آئی' تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی ہے کہ "بہن! میں اب کہاں نکل سکتی ہوں۔ گھر میں جوان بیٹی ہے"۔ آٹے کا دیا۔ اندر رکھو تو چوہوں کا ڈر۔ باہر رکھو تو کوؤں کا خطرہ"۔ اس ہر وقت کے خطرہ سے بچنے کی ایک ہی صورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اسے جتنی جلدی ہو سکے دھکا دیکر دوسروں کے حوالے کر دیا جائے اور اس طرح اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوا جائے۔ جسے اس طرح دھکا دیکر نکالا جائے' دوسروں کے ہاں اس کی جس قدر عزت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ جس بوجھ کو اس طرح سر سے اتار کر پھینکا جائے اسے دوسرا جس خوشی سے اٹھاتا ہے اس کے متعلق کچھ کہنا بیکار ہے۔ وہاں اس پر جو کچھ بیتتی ہے اسے اس کے سوا کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا۔ ساری دنیا میں اسے ایک ماں ایسی نظر آتی ہے جس سے کچھ دکھ سکھ کہہ سکے۔ لیکن جب یہ اس سے کوئی شکایت کرتی ہے تو وہ جواب میں کہتی ہے کہ' خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرو کہ اس نے تمہیں ایسا گھر دیا ہے' تمہیں کیا پتہ ہے کہ پرائے گھروں میں کیا کیا دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔ اس کا مجھ سے پوچھو۔ جو دکھ میں نے اٹھائے ہیں اس کا تم سے ذکر کروں تو تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ تم تو "ٹھنڈے دودھ کو پھونکیں مارتی ہو"۔ (معاف رکھنا۔ بابا جی! مجھے پنجابی محاوروں کا اردو میں ترجمہ کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن ترجمہ میں وہ بات کہاں جو اصل میں ہوتی ہے۔ لیکن آپ تو ان محاوروں کو

[illegible] اسے ہی مورد
[illegible] دیتی ہے۔ [illegible] وقت تلقین کرتی ہے کہ
[illegible] ہو تو ہر ایک کی فرمانبرداری کرو۔ جو
[illegible] '' کہہ کر سہتے جاؤ۔ صبر کا پھل میٹھا
ہوتا ہے۔ خاوند ''مجازی خدا'' ہوتا ہے۔ ہمارے رسولؐ خدا نے
[illegible] اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز
ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔
حضرت عمرؓ نے کہا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو پیٹتا ہے تو کسی شخص کو اس سے پوچھنا نہیں چاہئے کہ وہ اسے کیوں پیٹتا ہے۔ اس لئے' بیٹی ! جو کچھ خاوند کہے وہ کرو۔ جو حکم وہ دے اس کی تعمیل کرو۔ وہ جہاں بٹھائے وہاں بیٹھو۔ جہاں سے اٹھائے وہاں سے اٹھ جاؤ۔ جو فیصلہ وہ کرے اس کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خاوند کی تابعداری سے عورت سب کچھ پا سکتی ہے۔ تمہیں پتہ ہے حضرت رابعہ بصری کو اولیائی کس طرح سے ملی تھی؟ ان کے خاوند نے پانی مانگا۔ وہ پانی کا کٹورا لیکر پہنچیں تو وہ سو چکے تھے۔ وہ کٹورا ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر (سردیوں کی) ساری رات خاوند کے سرہانے کھڑی رہیں۔ صبح کے وقت خاوند کی آنکھ کھلی تو اس نے پانی پیا۔ ادھر اس نے پانی پیا اور ادھر حضرت رابعہ بصری کو ابدال کا مرتبہ مل گیا۔ اس لئے میری بیٹی ! آج تو تم نے کہا ہے۔ اس کے بعد کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لانا۔ آج کل کی لڑکیوں پر خدا کی مار۔ وہ بات بات پر شکایت کر دیتی ہیں۔ اسی لئے رسولؐ خدا نے معراج کی رات کو دیکھا تھا کہ دوزخ میں عورتوں کی کثرت تھی۔

وہ ماں کی یہ نصیحتیں سن کر پھر واپس چلی جاتی ہے اور جو کچھ اس پر بیتتی ہے وہ اس طرح سہتی ہے کہ اونچا سانس نہیں لیتی۔ کہتے ہیں کہ جب لوگ مردے کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو منکر نکیر آکر اسے گرزوں سے مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ چیختا چلاتا ہے لیکن باہر والے کوئی اس کی آواز نہیں سن سکتے حالانکہ وہ ان کی جوتیوں کی آہٹ بھی سن رہا ہوتا ہے۔ باہر والے چالیس قدم پر جا کر اس کے حق میں دعائے خیر کر کے اطمینان سے واپس آجاتے ہیں اور پھر اسے ان کے پاؤں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی۔ مردے پر یہ کچھ اس طرح بیتتی ہے یا نہیں' اس کا تو مجھے علم نہیں' لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ہماری شادی شدہ لڑکیوں کا تمثیلی بیان ہے۔

معاف رکھئے۔ بابا جی ! میں نے خط شروع کیا تھا اپنی داستان سنانے کے لئے اور لے بیٹھی دوسروں کی رام کہانی۔ لیکن یہ رام کہانی بھی دوسروں کی نہیں۔ اسے بھی میری ہی داستان کا حصہ سمجھئے۔ میں نے قریب چوبیس سال کی عمر میں ایم۔ اے کیا۔ یوں تو یہ دو ایک سال پہلے بھی ہو جاتا کیونکہ میں بہت ہونہار طالب علم تھی لیکن میرے دو تین سال شروع میں بیماری کی نذر ہو گئے۔ جب تک تعلیم جاری تھی' مستقبل کا کوئی خیال تک ذہن میں نہیں آتا تھا۔ اس وقت تو مستقبل اسی کا نام تھا کہ امتحان پاس کر لیا جائے۔ ایک امتحان پاس کر لیا جاتا تو دوسرا امتحان ''مستقبل'' بن جاتا۔ لیکن جب آخری امتحان پاس کر لیا۔ تو پھر ''میرے مستقبل'' کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ والدہ نے چپکے چپکے ابا جی سے کہنا شروع کر دیا کہ ''لڑکی کو کب تک گھر میں بٹھائے رکھو گے۔ آپ کے پڑھانے کے ''چاؤ'' نے پہلے ہی اس کا سر سفید کر دیا ہے۔ اب اور کتنا انتظار کرنا ہو گا؟'' اب جو بر کی تلاش شروع ہوئی تو اور مصیبت سامنے آئی۔ ہمارے ہاں عام طور پر لڑکی اور لڑکے کی عمر میں پانچ سات سال کا فرق رکھا جاتا ہے۔ لڑکا' لڑکی سے اتنا بڑا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ اس معیار کے مطابق' چوبیس پچیس سال کی لڑکی کے لئے ہمیں تیس بتیس برس کا لڑکا تو ہونا چاہئے۔ اول تو وہ کونسا لڑکا ہے جو تیس بتیس سال کی عمر تک انتظار کرتا رہے گا کہ بننے والی بیوی ایم۔ اے کر لے تو وہ شادی کا خیال کرے؟ اس عمر تک بن بیاہا وہی رہ سکتا ہے جسے کوئی اچھا رشتہ دینا نہ چاہئے۔ لہٰذا پہلے تو یوں انتخاب کا دائرہ تنگ ہوا۔ آگے بڑھے تو یہ سوال سامنے آیا کہ لڑکا زیادہ نہیں تو لڑکی جتنا تعلیم یافتہ تو ہو۔ اب ظاہر ہے کہ تیس بتیس سال کا

ایم۔ اے پاس نوجوان سروس میں ہو گا تو چھ سات سال کی اس کی ملازمت ہو چکی ہو گی۔ وہ کونسا لڑکی والا ہے جسے اس قسم کے رشتہ کی تلاش نہ ہو گی۔ لہٰذا' اب لڑکی والوں میں باہمی مقابلہ (Competition) ہو گا۔ جو زیادہ دام دے' وہی لڑکا خرید سکے۔ ابا جی متوسط الحال ملازمت پیشہ تھے۔ جو کچھ بچا وہ میری (اور دو تین اور بھائی بہنوں کی) تعلیم میں لگا دیا۔ اب ان کے پاس اتنا کہاں تھا کہ وہ بڑھ چڑھ کر بولی دے سکتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سوت کی انٹی سے یوسف نہیں خریدا جا سکتا' اس سے جو کچھ مل سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ چنانچہ وہی کچھ ملا۔ (میں یہ چیز بطور شکایت نہیں لکھ رہی کیونکہ امی جان نے شکایت کرنے سے منع کر رکھا ہے)۔ میں نے دیکھا کہ میری چچیری' ممیری بہنیں' جن کی شادی سولہ سولہ' اٹھارہ اٹھارہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی' اس بارے میں مجھ سے کہیں زیادہ خوش نصیب تھیں۔ انہیں واقعی نسبتاً" اچھے خاوند مل گئے تھے۔ بات تھی بھی ٹھیک۔ لڑکی کے انتخاب کے لئے عمر خاص اہمیت رکھتی ہے۔

سسرال میں پہنچی تو یہ حقیقت کھلی کہ میرا "ایم۔ اے" کا سارٹیفیکٹ وہ جنسِ کاسد ہے جس کا کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ میں بار بار سوچتی کہ میں نے بالآخر ایم۔ اے کیا کس لئے تھا؟ وہ میرے کسی کام آتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس وہ سراسر میرے خلاف جاتا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی مہینے میں ساس نے پڑوسن سے کہنا شروع کر دیا کہ "بٹھا رکھی تھی ماں نے لاڈو گھر میں۔ بڑا چاؤ تھا میم صاحب بنانے کا۔ نہ ہانڈی روٹی کا چج۔ نہ سینے پرونے کا سلیقہ۔ جہیز میں کتابوں کا بکس اور تصویروں والے رسالوں کی الماری لائی ہے۔ روٹی ساس پکایا کرے گی اور بہو اپنے میاں کو ناول پڑھایا کرے گی"۔ وہ بچاری بھی سچی تھیں۔ اس قسم کی بہو ہوتی کس کام کی ہے؟ میرے میاں شریف انسان ہیں۔ بہت نیک اور شریف۔ ہمارے ہاں شریف اور نیک اسے کہتے ہیں کہ جب ماں باپ نے اسے بیوی کے خلاف بھڑکایا تو ان سے دب گئے (اس لئے بھی کہ "ماں باپ کی اطاعت" بہرحال فرض ہے) اور جب بیوی نے تنہائی میں پوچھا کہ میرا بالآخر کیا قصور ہے جس کی پاداش میں مجھے یوں ذلیل کیا جا رہا ہے' تو نگاہیں نیچی کر کے کہہ دیا کہ "تم میری مجبوری کو بھی تو دیکھو!" ماں باپ اپنی عادت سے مجبور--- بیٹا اپنی شرافت سے مجبور--- یہ سب مجبور' اور ان میں "صاحب اختیار" یہ باہر سے آنے والی !! لیکن یہ نگاہیں نیچی کر کے مجبوری کا اعتراف بھی شروع میں چند دن تک تھا۔ اس کے بعد "**الرجال قوامون علی النساء**" کے غلط مفہوم کا پیدا کردہ (یا تقویت دادہ) احساس' جو تحت الشعور میں کروٹیں لے رہا تھا' بیدار ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد میاں بہرحال میاں تھا اور بیوی بہر نوع بیوی۔ ٹیڑھی پسلی سے پیدا شدہ عورت جسے سیدھا کرنا چاہو تو وہ ٹوٹتی ٹوٹ جائے لیکن سیدھی نہ ہو۔ اس کی "تریا ہٹ" ضرب المثل ہوتی ہے۔ یعنی عورت اگر کسی اصول پر قائم رہنا چاہئے تو ضدی کہلائے اور مرد اپنی ضد نہ چھوڑے تو اصول پرست کہلائے۔ عورت معقول سے معقول بات بھی کرے تو ناقص العقل قرار دی جائے۔ مرد' اپنی حماقتوں کی وجہ سے ہر ایک سے ڈانٹ کھائے تو بھی گھر پہنچ کر لقمان حکیم بن جائے۔ اور یہ اس احساس کی بنا پر کہ مرد بہرحال عورت سے افضل ہے اور اس پر حاکم اور داروغہ۔

یہ ہے درحقیقت وہ نقطہ جس کے لئے' بابا جی! میں نے یہ طویل داستان دہرائی ہے' اگر اس مقام پر میری جرات حیطہ ادب سے کچھ آگے بڑھ جائے تو اپنی بیٹی کو معاف فرمایئے گا۔ میرا اندازہ یہ ہے (اور یہ اندازہ ذاتی تجربہ اور اپنی سہیلیوں کے حالات کا گہرا مشاہدہ کرنے کا نتیجہ ہے) کہ مرد کے دل سے' عورت پر تغلب (Domination) کا جذبہ' جو نہ معلوم شروع میں کن حالات کے ماتحت پیدا ہوا تھا' آج تک جا ہی نہیں سکا۔ مرد جاہل ہو یا تعلیم یافتہ۔ "مہذب" ہو یا غیر مہذب۔ حتیٰ کہ کماؤ ہو یا نکھٹو۔ عورت کو اپنے حکم کے تابع رکھنے کا جذبہ ہر ایک کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ حالات کے مطابق اس کے مظاہرے کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ جذبہ اپنی جگہ باقی رہتا

ہے۔ جوں لڑکیاں جب دیکھتی ہیں کہ خاوند ان کی ہر فرمائش کو پورا کرتا ہے۔ ان کے لئے اچھے اچھے کپڑے اور قیمتی زیورات لاتا ہے۔ ہر تقریب میں انہیں آگے بڑھاتا ہے اور خود پیچھے رہتا ہے۔ بیوی کا اوور کوٹ لیکر اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ تو وہ سمجھتی ہیں کہ وہ واقعی بیوی (یعنی عورت) کی عزت (Respect) کرتا ہے۔ لیکن یہ عزت نہیں ہوتی۔ اچھے اچھے کپڑوں اور زیورات کو تو یوں سمجھئے جیسے بچیاں اپنی گڑیوں کو کپڑے اور زیورات پہنا کر اپنے ذوق کی تسکین کرتی ہیں۔ (کہنے کو تو اور کچھ بھی جی چاہتا ہے لیکن آپ کا احترام مانع ہے)۔ باقی رہا تقریبوں میں بیوی کی عزت' سو وہ محض سوسائٹی میں مہذب کہلانے کے فیشن کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے آپ نے ایک خط میں (Ego) کی تسکین کہا تھا۔ مرد صرف اپنے (Ego) کی تسکین چاہتا ہے اور عورت اس تسکین کا ذریعہ ہوتی ہے اس میں عزت (Respect) کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ عزت (Respect) دیکھنی ہو تو تنہائی میں دیکھئے جہاں وہ اپنا فیصلہ منوانے کے لئے اس قدر غیر معقول (Un-Reasonable) ہو جاتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بعض درندوں کے متعلق سنا ہے کہ انہیں شکار کو مار کر کھانے میں اتنا مزہ نہیں ملتا جتنا مزہ اسے دبوچ کر ستانے میں ملتا ہے۔ درندوں کے متعلق تو میں کہہ نہیں سکتی لیکن مرد کی تو بالکل یہی حالت ہے۔ وہ نکاح میں عورت کے "ہاں" کہنے تک تو ہر شرط مانتا چلا جاتا ہے لیکن اس کے بعد جب وہ اسے دبوچ لیتا ہے تو پھر اسے ستانے میں بڑی لذت لیتا ہے اور وہ لاکھ منتیں کرے' اسے اپنے پنجہ کی گرفت سے چھوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہوتا۔ جب تک عورت پھڑپھڑاتی رہے گی وہ اسے ستاتا رہے گا۔ گھر میں "چین" اس وقت نظر آئے گا جب وہ (Complete Surrender) کر جائے گی۔ یعنی جس طرح موت سے ہر مرض سے آرام اور ہر تکلیف سے راحت مل جاتی ہے' اسی طرح عورت کے دکھوں کا بھی یہی علاج ہوتا

ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے قدیم جاہلیت کے ماحول میں پرورش یافتہ لڑکیاں بہت اچھی رہتی تھیں۔ انہیں شروع ہی سے اس قسم کی زندگی کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جاتا تھا۔ اور وہ اس "موت" کو عین حیات سمجھتی تھیں۔ لیکن مصیبت ان کی ہے جنہیں موت اور حیات کا فرق بتانے کے بعد ان سے کہا جاتا ہے کہ موت کو حیات سمجھو اور ہنس ہنس کر جیو۔ شودر کو جب تک یہ تعلیم دی جائے کہ وہ برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے اور اس کی مکتی (Salvation) کا راز اسی میں ہے کہ وہ برہمن کی سیوا کرے' اس کے لئے شودر کی زندگی دو بھر نہیں ہوتی۔ لیکن جب اسے یہ بتا دیا جائے کہ شود اور برہمن دونوں برہما کے ہاتھوں کے بنے ہوئے ہیں تو پھر اس کے لئے شودر بن کر رہنا عذاب جان ہو جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ شودر کو یہ بتایا نہ جائے کہ وہ اور برہمن ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ شودر کو یہ بتانے سے پہلے برہمن کو یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ برہما کے سر سے اور شودر اسکے پاؤں سے پیدا نہیں ہوتے۔ دونوں اس کے ہاتھوں کی تخلیق ہیں۔ جب برہمن کے سر سے برہمن ہونے کا سودا نکل جائے تو پھر شودر کو اس کے انسان ہونے کا سراغ دینا چاہیئے۔ معلوم نہیں کہ میں اپنے مطلب کو واضح کر سکی ہوں یا نہیں' لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ جب تک پہلے مرد کے ذہن سے یہ خیال نہ نکالا جائے کہ وہ عورت سے افضل اور اس پر حاکم ہے' اس وقت تک عورت کو یہ بتانا کہ وہ مرد کے ہمدوش چلنے کے لئے بنائی گئی ہے' اور وہ "انسان" ہونے کے جہت سے ایسی ہی واجب التکریم ہے جیسا مرد' اس بچاری کے لئے آفت کا سامان پیدا کر دینے کے مرادف ہے۔ مجھے خطرہ نظر آتا ہے کہ اگر ہمارے ہاں مردوں کی ذہنیت میں یہ تبدیلی نہ ہوئی تو یہاں بھی ہماری نئی پود کی لڑکیاں اسی منتقمی جذبہ کا شکار ہو جائیں گی جس نے یورپ کی عورت کو تفریط کے دوسرے سرے پر پہنچا دیا ہے اور اب وہ مرد پر (Dominate) کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ حالانکہ

(Domination) کا جذبہ' خواہ وہ مرد میں ہو خواہ عورت میں' انسانیت کے لئے تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ انسانیت کی فلاح' تکریم آدمیت میں ہے۔ یعنی مرد کے دل میں عورت کی (Respect) اور عورت کے دل میں مرد کی (Respect) اور یہ (Mutual Respect) صرف مساوات کے احساس سے پیدا ہو سکتی ہے' برتری اور تغلب کے جذبہ سے نہیں۔

میں اس سوال پر اکثر غور کرتی رہی ہوں کہ مرد نے عورت کو مغلوب رکھنے کے لئے جو حربے استعمال کئے ہیں ان میں سب سے زیادہ موثر حربے کونسے ہیں۔ تاریخ اور معاشیات میرے موضوع رہے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ ان میں دو حربے بہت زیادہ کارگر ثابت ہوئے ہیں' اول' عورت کو معاشی طور پر محتاج بنا دینا (Economic Dependance)۔ عورت کو بچوں کی پیدائش اور پرورش کے سلسلہ میں جو فطری فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں' مرد نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ جو لڑکیاں خود کمانے کے قابل ہوتی ہیں شادی کے بعد ان کا تجربہ کیا ہوتا ہے۔ یعنی ان کی (Married Life) کامیاب ہوتی ہے یا نہیں اور اس سے مرد کا تغلب کا جذبہ ختم ہوتا ہے یا نہیں۔ مجھے اس کے مطالعہ کا موقعہ نہیں ملا۔ اس ضمن میں شاید کوئی "طاہرہ بہن" جنہیں اس کا ذاتی تجربہ ہو' حتمی طور پر کچھ کہہ سکیں۔ لیکن عورت کی معاشی احتیاج سے مرد جس بری طرح فائدہ اٹھاتا ہے اسے سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کی عقل کی ضرورت نہیں۔ دوسرا حربہ یہ ہے (اور اسے میں آپ سے بصد معافی عرض کرنے کی جرات کرتی ہوں' کیونکہ بیٹیوں کے باپ سے بھی اس موضوع پر گفتگو کرنا مستحسن خیال نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس کے سوا مجھے کوئی چارہ نظر نہیں آتا)۔ دوسرا حربہ یہ ہے کہ مرد نے عورت کے لئے (sex) کو ہوا بنا رکھا ہے۔ اس نے اس کے دل میں یہ خیال جاگزیں کر رکھا ہے کہ وہ مرد کے بغیر زندگی گذار ہی نہیں سکتی۔ اگر وہ ایسا کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو اس کے لئے ہر وقت "عصمت" کا خطرہ ہے۔ اور اگر وہ اس کی بھی حفاظت کر لے تو اسے طرح طرح کی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ میرے خیال میں یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ عورت اپنی عصمت کی پوری حفاظت کر سکتی ہے۔ وہ چاہے تو ان جذبات سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے صرف پاکیزگی خیالات کی ضرورت ہے اور یہ چیز انسان کے اپنے بس کی بات ہے۔ باقی رہا اس ضبط سے بیماریوں کا خطرہ۔ سو یہ بھی بے بنیاد ہے۔ اس سے تو بلکہ اس کی توانائیوں اور صلاحیتوں میں اضافہ ہونا چاہئے۔ یہ خطرہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ جنسی خیالات سے اپنے اعصاب (Nerves) میں اشتعال پیدا کرتی رہے اور پھر اس کی تسکین کا صحیح سامان نہ پائے۔ (اس میں بھی میرا خیال ہے کہ مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں) اگر وہ اپنے خیالات میں پاکیزگی رکھتی ہے تو پھر اسے اعصابی یا دیگر اس قسم کی بیماریوں کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس موضوع پر جو کچھ پڑھا ہے وہ میرے اس خیال کی تائید کرتا ہے۔ اس لئے عورت کو اس ہوا کو دل سے نکال دینا چاہئے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ عورت کے سامنے زندگی کا کوئی بلند مقصد ہو۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ ہماری لڑکیاں تجرد کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیں۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اگر بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جائیں جن میں تجرد کی زندگی ہی مناسب (یا قرین مصلحت) ہو تو یہ خیال اس کے مانع نہیں ہونا چاہئے۔ باقی رہا افزائش نسل کا سوال' سو یہ بھی ضروری ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ جو عورت ہزار بچوں کو انسان بنانے اور سینکڑوں خاندانوں کے دکھ درد مٹانے کی صلاحیت رکھتی ہو' اس کے لئے چار بچوں کی ماں بن کر اپنی ساری صلاحیتوں کو اس میں صرف کر دینا' فطرت کے عطیہ کا صحیح مصرف قرار نہیں پا سکتا۔ میں اپنے بچوں کی پرورش کر رہی ہوں لیکن میں پوری شدت سے محسوس کر رہی ہوں کہ میری صلاحیتوں کا صرف اس قدر مصرف' ان کا ضیاع ہے۔ میں اس سے کہیں زیادہ انسانیت کی خدمت کر سکتی تھی۔ لیکن بچے خواہ دو ہی کیوں نہ ہوں' کسی اور طرف دھیان دینے کی فرصت ہی نہیں دیتے۔ یہ بھی

[illegible] طرز زندگی کا نتیجہ ہے، لیکن جب تک یہ طرز [illegible] سے مفر نہیں۔
[illegible] خط بہت لمبا ہوگیا لیکن اس کے سوا چارہ [illegible] سے میں نے لکھا بھی تو کئی مہینوں کی سوچ بچار [illegible] میں دریافت یہ کرنا چاہتی ہوں کہ [illegible] مطالعہ کرنے کے، بعد میں جن نتائج تک پہنچی [illegible] آپ کے، خیال میں وہ کہاں تک درست ہیں۔

[illegible] میرے خیالات میں کوئی بات ایسی تو نہیں جو قرآن مجید [illegible] تعلیم کے خلاف جاتی ہو۔ اس لئے کہ ہمارے، خیالات' یا مطالعہ کچھ ہی کیوں نہ کہیں' اگر وہ قرآن مجید کے خلاف ہیں تو [illegible] یہ کہہ کر انہیں، بدلنا ہو گا کہ ہمارے خیالات، خام اور مطالعہ ہنوز ناقص ہے۔

(3) ہماری لڑکیوں کے، ان مسائل (Problems) کا حل کیا ہے؟ ان کی تعلیم سے مقصد کیا ہے؟ کیا عورت کا صرف یہی منصب (Role) ہے کہ وہ (House-Wife) بن کر زندگی گذارے یا اگر وہ اس سے بہتر فرائض سرانجام دے سکتی ہے تو وہ ان فرائض کو سرانجام دے؟۔

بہتر ہو کہ آپ اس خط کا جواب طلوع اسلام کے ذریعے دیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری اور "طاہرہ بہنیں" بھی ان مسائل سے دلچسپی لیں۔ شاید اس طرح باہمی سوچ بچار اور آپ کی راہ نمائی سے ہم کسی حد تک اپنی اور اپنی بچیوں کی زندگی خوشگوار بنا سکیں اور ملت اور دین کے لئے کچھ مفید بن سکیں' ورنہ اس وقت، تو حالت یہ ہے کہ ہماری زندگی اجیرن اور دوسروں کے لئے بوجھ ہے۔

ہزار احترام اور دعاؤں کے ساتھ
آپ کی بیٹی "طاہرہ"

[illegible] عزیز بیٹی -- خدا تمہیں خوش و خرم رکھے۔

"طاہرہ بیٹیاں" میرے لئے بمنزلہ میری اولاد کے ہیں۔ اس [illegible] کا حق ہے کہ مجھے باپ کہہ کر پکاریں قرآن کا رشتہ' خون کے رشتے سے کہیں زیادہ گہرا اور محکم ہوتا ہے۔ ان بیٹیوں سے میری بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

(2) سب سے پہلے میں دلی مبارک باد دیتا ہوں تمہارے ماں باپ کو جنہوں نے تمہاری ایسی عمدہ تربیت کی اور پھر تمہارے موجودہ گھرانے کو جنہیں اس قسم کی شمع نورانی میسر آگئی۔ مستحق ہزار تبریک و تہنیت ہے وہ ملت جس میں تمہارے جیسی بیٹیاں پیدا ہوں۔ اگر تمہارے خیالات کی نشوونما میں میری قرآنی فکر کا بھی کچھ دخل ہے تو میں اپنے آپ کو بھی جس قدر خوش قسمت سمجھوں کم ہے۔ تمہارے جیسی بیٹیاں ہی درحقیقت میری جگر کاویوں کا صلہ ہیں۔ خیالات کی بلندی اور پاکیزگی تو تمہاری صحیح تربیت کا اثر ہے لیکن ان کے اظہار پر اس قدر قدرت' تمہاری تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اس اعتبار سے تمہارا ایم۔ اے کرنا رائگاں نہیں گیا۔ میں حیران ہوں کہ تم اتنا عرصہ چھپی کہاں رہیں؟ تمہیں بہت کچھ لکھنا چاہیئے تھا اور اس کی ابتداء بہت پہلے کر دینی چاہیئے تھی۔ تم مجھے اپنا پتہ لکھ دیتیں تو اچھا ہوتا تاکہ میں تمہیں مجبور کر کے بھی تم سے ان موضوعات پر مسلسل لکھواتا رہتا۔۔۔ جہاں تم اتنی "مجبوریاں" پہلے برداشت کر رہی ہو' ان میں ایک اور کا اضافہ ہو جاتا۔۔۔ اب بھی' میری بیٹی' تم اس خط پر بس نہ کر دینا۔ تمہیں فطرت نے بڑی صلاحیتیں دی ہیں۔ ان کی نمود کے جس قدر مواقع بھی مل سکیں ان سے فائدہ اٹھانے میں تو ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔

(3) تمہارا مطالعہ بڑا وسیع۔ تمہارے مشاہدات بڑے عمیق اور تمہارے نتائج بڑے صحیح ہیں۔ سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان میں کوئی چیز قرآنی تعلیم کے خلاف نہیں۔ یہی نہیں۔ بلکہ تم قرآن کے منشاء و مقصود کو جس عمدگی سے سمجھ ہو' پایا ہو شاید۔ اللہ تمہارے قرآنی ذوق میں برکت عطا فرمائے۔ تمہیں اس کے مواقع دے کہ تم دوسروں میں بھی اس ذوق کو پیدا (یا بیدار) کر سکو۔

(4) غلام قوم کی ذہنیت "بھیڑ چال" کی سی ہو جاتی ہے۔ وہ

کوئی کام خود سمجھ سوچ کر نہیں کرتی بلکہ محض دوسروں کی دیکھا دیکھی کرتی رہتی ہے۔ ہماری یہی ذہنیت' زندگی کے اور شعبوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی کارفرما ہے۔ چونکہ لڑکیوں کو تعلیم دلانا ہمارے ہاں فیشن سا ہو گیا ہے اس لئے ہر باپ بیٹی بیٹی کو اسکول بھیج دیتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا کہ اسے وہاں تعلیم کس قسم کی مل رہی ہے۔ اس کے بعد اسے کالج میں داخل کرا دیتا ہے' یہ سوچے بغیر کہ اس سے بالاخر مقصد کیا ہے۔ میں لڑکی کو بنانا کیا چاہتا ہوں۔ تعلیم کے بعد اس کا مستقبل کیا ہو گا۔ ان باتوں کے متعلق نہ ماں باپ سوچتے ہیں اور نہ ہی جن کے ہاتھ میں تعلیم کا سررشتہ ہے' وہ غور کرتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم سے غرض و غایت کیا ہے اور درسگاہوں کا فریضہ اور ذمہ داری کیا۔ لڑکوں کے معاملہ میں تو (میکالے اور اس کے ہم نواؤں کی پالیسی کے تصدق) ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ تعلیم کا مقصد روٹی کمانا ہے' لیکن لڑکیوں کے متعلق ہم نے ابھی تک اتنا بھی طے نہیں کیا۔ ان کی عمر کا بہترین حصہ اس بے مقصد تعلیم کی نذر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نہ ان بچاریوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مستقبل کیا ہے اور نہ ہی ان کے ماں باپ کی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے لئے کیا کیا جائے۔ لیکن تقلیدی ذہنیت دیکھئے کہ بڑی لڑکی کے متعلق وہ اس خلجان میں مبتلا ہوتے ہیں اور چھوٹی لڑکیوں کو اسی طرح اسکولوں اور کالجوں میں بھیجتے چلے جاتے ہیں۔ وہ بھیجتے چلے جاتے ہیں اور تعلیم کے ذمہ دار حضرات انہیں اسی طرح درسگاہوں سے نکالتے چلے جاتے ہیں۔ نہ وہ سوچتے ہیں کہ ہم انہیں کیوں پڑھا رہے ہیں اور نہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں کیا بنا رہے ہیں۔ سوچتے یہ نہیں اور مصیبت بچاری بچیوں کی آجاتی ہے۔ ان کی ساری زندگی تلخ گذرتی ہے۔ نہ ہی وہ ہماری قدیم "جاہل" لڑکیوں کی طرح متاہل زندگی میں مکمل خود سپردگی (Complete Surrender) کے لئے ذہنی طور پر تیار کی جاتی ہیں اور نہ ہی وہ زندگی کے کسی بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ ان حالات میں' ان کی تعلیم ان کے لئے مفید بننے کے بجائے' الٹی ان کے راستے میں حائل ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف' ہماری مجبوری یہ ہے کہ لڑکی کے رشتے کے لئے سلسلہ جنبانی کے وقت سب سے پہلے سوال یہ پوچھا جاتا ہے کہ لڑکی کی تعلیم کس قدر ہے۔۔۔۔ غرض دوگونہ عذاب است جان مجنوں را۔۔۔ غلط بنیادوں پر اٹھے ہوئے معاشرہ میں ایک ایسا خبیث چکر (Vcicious Circle) وجود میں آجاتا ہے جس سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔

ان تمام خرابیوں کا حل اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو بدلیں۔ پہلے یہ طے کریں کہ تعلیم سے مقصد کیا ہے۔ ہم نے اپنے بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) کو بنانا کیا ہے۔ پھر اس مقصد کے مطابق انہیں تعلیم دیں۔

تعلیم سے بنیادی مقصد' انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما اور ان کے استعمال کے لئے فکر و نظر کی اصلاح ہے اور یہ مقصد کسی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہم اپنے تعلیمی نظام کو قرآنی خطوط پر استوار نہ کریں۔ اسی سے وہ مقصد بھی حاصل ہو سکے گا جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی مرد کے دل سے' اس کی برتری اور تغلب اور عورت کی فروتری اور محکومی کا خناس نکالنا۔ قرآن' مرد اور عورت' دونوں میں مساوات کی تعلیم دے کر ایک دوسرے کا صحیح احترام پیدا کرتا ہے۔ اور یہی چیز ازدواجی زندگی' بلکہ پورے معاشرہ کو جنت بداماں بنا سکتی ہے۔ مشرق ہو یا مغرب' جب تک دونوں اصناف (مرد اور عورت) تغلب کا احساس دل سے نکال کر' مساوات اور تکریم باہمی کا جذبہ پیدا نہ کریں گے' انسان کی زندگی سکون آشنا نہیں ہو سکے گی۔

(5) لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک ہمارے نظام تعلیم میں اس قسم کی تبدیلی اور مرد کی ذہنیت میں اس قسم کا قرآنی انقلاب نہ آجائے' لڑکیوں کی مشکلات کا حل کیا ہے؟ ان کی مشکلات کا اطمینان بخش حل تو کوئی نہیں ہو سکتا البتہ ان کی شدت میں کسی حد تک نرمی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جن بچیوں میں صرف (House Wife) بننے کی صلاحیت ہو (اور اکثریت ایسی ہی

ہوتی) انہیں متاہل زندگی کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جائے یعنی انہیں ان کی خیالی دنیا کی موہوم جنت میں رکھنے کے بجائے حقائق (Facts) کا سامنا کرنے کے قابل بنا دیا جائے یعنی اسے بتایا جائے کہ موجودہ ماحول میں اسے بحیثیت بیوی اپنے خاوند اور اس کے عزیزوں سے نباہ کرنے کے لئے کس قدر قربانی دینی پڑے گی۔ جن (نادر صلاحیتوں کی) بچیوں میں تمہارے الفاظ میں' اس امر کی صلاحیت ہو کہ وہ ہزاروں بچوں کو انسان بنا سکیں یا سینکڑوں گھرانوں کا دکھ درد مٹا سکیں انہیں ان بلند مقاصد کی سرانجام دہی کے مواقع بہم پہنچانے چاہئیں اور ہمیں مل کر اس کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ ہمارے موجودہ غلط معاشرہ کے پیدا کردہ بدطینت عناصر سے محفوظ رہیں۔ یہ ان کا فریضہ نہیں' ہمارا فریضہ ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان سب کو اپنی بیٹیاں سمجھیں اور اسی طرح ان کی دیکھ بھال کریں جس طرح اپنی لڑکیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایک پاکیزہ سیرت عورت اپنی حفاظت آپ کرنے کی بڑی قوت اپنے اندر رکھتی ہے لیکن غلط معاشرہ میں ایسے عناصر ہوتے ہیں جو یہ سمجھ کر کہ عورت کمزور ہوتی ہے' اس پر دلیری سے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں۔ اپنے معاشرے کی بچیوں کی ایسے عناصر سے حفاظت' ہمارا مشترکہ فریضہ ہونا چاہئے۔

مجھے تم سے "حرفاً حرفاً" اتفاق ہے کہ (صالح مرد کی طرح) عورت بھی ضبط خویش پر پوری پوری قدرت رکھتی ہے۔ (خود قرآن اس پر شاہد ہے) اور جنسی تحریک کوئی ہوا نہیں جس سے ... جائے۔ نہ ہی اس قسم کے ضبط سے کسی بیماری کا ... ہے۔ اس سے تو بلکہ توانائیوں اور صلاحیتوں میں ... ہے اس کے لئے پاکیزگی خیالات بنیادی شرط ہے ... کا تعلق طبعی ہیجان (Physical Impulse) سے ... نفسیاتی تحریک (Psychological Urge) سے ہے ... کا سرچشمہ خیالات ہیں۔ پاکیزگی خیالات' قرآن کی ... کو سامنے رکھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ پاکیزہ خیال' بلند سیرت عورت کی پیشانی پر ایسا نور عصمت جگمگاتا ہے جس سے ہزار قلوپطراؤں کا حسن صورت شرمندہ ہوتا ہے۔

(6) جو لڑکیاں معاشی طور پر آزاد ہوتی ہیں (یعنی جو خود کمانے کے قابل ہوتی ہیں) ان کی ازدواجی زندگی کس طرح گذرتی ہے' اس کے متعلق میں کچھ تفصیل سے کہنا چاہتا تھا۔ لیکن (جیسا کہ تم نے لکھا ہے) اس کے متعلق اگر کوئی "طاہرہ بیٹی" اپنا تجربہ بیان کرے تو وہ زیادہ بہتر ہو گا۔ سردست میں اس قدر بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو واقعات میرے علم میں آئے ہیں' وہ یہی بتاتے ہیں کہ موجودہ غلط ماحول میں ان کی ازدواجی زندگی بھی کامیاب نہیں ہوتی۔ بلکہ اور تلخ ہو جاتی ہے۔

(7) اس میں شبہ نہیں کہ عورت کا مسئلہ جس قدر اہم ہے اسی قدر مشکل بھی ہے۔ لیکن یہ مشکل ہماری اپنی پیدا کردہ ہے۔ اگر ہم قرآن کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل دریافت کرنا چاہیں تو اس میں کوئی مشکل ہی باقی نہیں رہتی۔ لیکن مردوں کا ایغو (ہوس اقتدار) انہیں اس طرف آنے نہیں دیتا۔ اس کے لئے انہوں نے طرح طرح کے "مقدس بہانے" تراش رکھے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ جن گھرانوں کے مردوں اور عورتوں نے قرآنی فکر کو اپنایا ہے' ان کے ہاں یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا۔ وہاں ایک دوسرے پر تغلب کی بجائے باہمی تکریم کا جذبہ بیدار ہو گیا ہے اور گھر مسرتوں کا گہوارہ بن گیا ہے۔ لیکن یہ گھرانے ابھی خال خال ہیں۔ ہمارا عام معاشرہ (مشرق اور مغرب' دونوں میں) بدستور جہنم بن رہا ہے۔ اس سے نجات کی صورت قرآنی اقتدار کے تمکن کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جب معاشرہ قرآنی خطوط پر متشکل ہو جائے تو اس وقت نہ' متاہل زندگی عورت کے لئے بلند مقاصد انسانیت کے حصول کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اور نہ ہی (عند الضرورت) تجرد کی زندگی کسی قسم کی دشواری یا خطرہ کا موجب بنتی ہے۔ اگر ہمارے ہاں کی بچیاں اس کے لئے کوشش کریں تو اس قسم کے معاشرہ کی تشکیل کی رفتار بہت تیز ہو سکتی ہے' اس لئے کہ معاشرہ کے سنوارنے میں عورت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ ہمارا فریضہ یہ ہے

کہ ہم ان کے راستے کی دشواریوں کے دور کرنے میں ان کی پوری پوری مدد کریں۔ باقی سب کچھ وہ خود کر لیں گی۔ جب عورت کسی کام کے لئے مستعد ہو جائے تو اس میں بے پناہ قوت آجاتی ہے۔

(8) آخر میں اسے دہرا دینا چاہتا ہوں کہ عورت کے لئے فطرت کے پروگرام کے مطابق بالعموم وہی زندگی ہو سکتی ہے جس میں وہ اپنی نسائیت (Famininity) اور امومیت (Motherliness) کی نشوونما کرتے ہوئے' تعمیر انسانیت اور تحسین معاشرت کے امور میں برابر کا حصہ لے۔ اور یہ چیز قرآنی معاشرہ ہی میں میسر آسکتی ہے۔ لیکن بہ حالات موجودہ' جبکہ ان میں سے ایک ہی چیز حاصل ہو سکتی ہو اور دونوں کا جمع کیا جانا ناممکن ہو' یہی کیا جا سکتا ہے کہ' بجز ان بچیوں کے جن میں بلند مقاصد کے حصول کی صلاحیتیں ہوں' ہم اپنی لڑکیوں کو ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کریں اور لڑکوں کو حتی المقدور ان کی عزت کرنا سکھائیں۔ اور بلند صلاحیتوں کی بچیوں کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کریں کہ فنی تعلیم کے ساتھ ساتھ، قرآن کریم کی بلند اقدار بھی ان کے سامنے آتی جائیں اور وہ دل کے پورے اطمینان' سکون اور یکسوئی کے ساتھ انسانیت کے لئے منفعت بخش امور کی سرانجام دہی میں مصروف رہ سکیں اور سوسائٹی میں وہ انتہائی عزت و تکریم کی نگاہوں سے دیکھی جائیں۔ خود قرآنی معاشرہ میں بھی اس قسم کے استثنائی اور خصوصی حالات ہو سکتے ہیں جن میں (مرد ہو یا عورت) ازدواجی زندگی بسر کئے بغیر' اپنی صلاحیتوں کو تعمیر انسانیت کے بلند مقاصد کے لئے وقف کر دیں۔ اس سے ان کے شرف انسانیت میں فرق نہیں آجائے گا۔

(9) طاہرہ بیٹی ! میں ایک بار پھر تمہیں' تمہارے قلب و دماغ کی قابل رشک صلاحیتوں پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ تمہیں ایسے مواقع میسر آجائیں کہ تم ان صلاحیتوں کو تعمیر انسانیت کے بلند مقصد کے لئے صرف کر سکو۔

ہزاروں دعاؤں کے ساتھ،

تمہارا "بابا جی"

(ماخوذ از طلوع اسلام فروری 1961ء)

طاہرہ کے نام خطوط

ماؤں کی آغوشِ تربیت ہر قوم کی داستانِ عروج وزوال کا حرفِ آغاز بنتی ہے-خدا کا دین ملت کی ہر بہو بیٹی اور ماں کو کس بلند مقام پر فائز کرتا ہے ؟ان کے قلب ونگاہ میں کس قسم کا انقلاب لانا چاہتا ہے ؟اس انقلاب کی بدولت ہماری عائلی زندگی کے تلخابے کیونکر جامِ شیریں کی گردش میں بدل سکتے ہیں ؟ نئی نسل کی تربیت کس حسنِ انداز سے ہو گی ؟-- ان اہم سوالات کا جواب' قرآنی فکر وبصیرت کی روشنی میں 'اس کتاب میں دیکھئے-ان خطوط کے ذریعہ پرویز صاحب نے اپنی ملت کی ہر طاہرہ بیٹی کو قرآن کا زندگی بخش پیغام دیا ہے-

(طلوع اسلام ٹرسٹ 25 بی گلبرگ 2 لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبیر احمد۔ فلوریڈا

مسیح اور مہدی کب آرہے ہیں؟

(مسیح و مہدی -- ایک ریسرچ)

چھ اکتوبر 1999ء کے اردو ٹائمز میں نمایاں طور سے ڈاکٹر سرار احمد کا انٹرویو شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب محترم اسلام کے ایک مخلص کارکن ہیں۔ ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ "مولانا" نہیں لکھتے۔ وہ جانتے ہیں "مولانا" یعنی ہم سب کا آقا صرف اللہ ہے۔ بیس سال سے زیادہ ہوئے جنگ' کراچی میں نمایاں خبر چھپی تھی (دروغ بر گردنِ صحافی) کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے جماعتِ اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اس لئے کہ "الاعلیٰ" خدا کا نام ہے یعنی اعلیٰ ترین' سب سے بلند۔ ابو الاعلیٰ کے معنی ہوں گے "خدا کا باپ" (نعوذ باللہ) مولانا ابوالاعلیٰ کے معنی ہوئے "ہمارے آقا خدا کے باپ"۔ مودودی صاحب کو یہ تبصرہ ناگوار گزرا۔ ڈاکٹر اسرار احمد حق پرستی پر قائم رہے اور جماعت اسلامی سے فارغ کر دیئے گئے۔ انہوں نے اسی زمانے میں مودودی صاحب پر یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ وہ تحریکِ پاکستان کے کٹر مخالف تھے اور علامہ اقبالؒ' مودودی صاحب کے محسن تھے کہ انہوں نے بے روزگار مودودی صاحب کو حیدر آباد دکن سے بلا کر پٹھان کوٹ میں کام سے لگا دیا تھا۔ عجیب بات ہے کہ مودودی صاحب کی تحریروں میں علامہؒ کے اشعار سے مکمل پرہیز دیکھا جاتا ہے! یہ حقیقت ہے علامہ اقبالؒ علم و ادب کے اس مرتبے پر فائز ہیں کہ اردو اور فارسی میں علامہؒ کا حوالہ دیئے بغیر علمی بات کرنا کسی بھی مصنف کی اپنی محرومی ہے۔

مذکورہ انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ تبلیغی جماعت ستر سال میں کچھ نہیں کر سکی۔ جماعت اسلامی ساٹھ سال سے کوئی تبدیلی نہیں لا سکی۔ ہماری تنظیم اسلامی کے 25 سال اور میری محنت کے 40 سال بے نتیجہ رہے تو حیرت کی کیا بات ہے! (اس دلیل کا وزن آپ خود ملاحظہ فرمالیں)۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کے مداح دنیا بھر میں ہیں اور ان میں ایک شبیر احمد بھی ہے۔ لیکن اردو ٹائمز کے لائق نامہ نگار کے سوال کا جواب کچھ اور ہے جو ڈاکٹر صاحب کی حق پرست نگاہوں سے مخفی ہے۔ عربی کا ایک لفظ ہے "تعزیز" کسی گاڑی کے پہیے ریت یا کیچڑ میں دھنس جائیں۔ اس طرح کہ پہیے گھومتے رہیں اور گاڑی آگے نہ بڑھے اسے تعزیز کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت ہو یا جماعت اسلامی' تنظیم اسلامی ہو یا برصغیر' الجزائر' مصر' ترکی اور ایران وغیرہ کی کوئی بھی اسلامی تحریک' سب تعزیز کا شکار ہیں۔ انجن شور کر رہا ہے' چیخ رہا ہے۔ پہیے گھوم رہے ہیں لیکن صاحبو! گاڑی وہیں کھڑی ہے۔ حق بات تو یہ ہے کہ طالبان ہوں یا ملائیشیا' انڈونیشیا کے اسلام پسند۔ عرب ہو یا عجم' مشرق ہو یا مغرب۔ اسلام والے سب کے سب بیل گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بیل ہانپ رہے ہیں۔ پہیے گھوم رہے ہیں لیکن گاڑی وہیں کھڑی ہے۔ وہ کون سی ریت ہے جس میں یہ گاڑیاں پھنسی ہوئی ہیں۔ وہی جسے علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا تھا۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

ان روایات کا جادو ملاحظہ کیجئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد جیسے حق پرست صاحبِ علم بزرگ نے اپنے انٹرویو میں فرمایا ہے

کہ امام مہدی 1962ء میں عرب میں پیدا ہو چکے ہیں۔ حوالہ انھوں نے دیا ہے "جین ڈکسن" کا۔ امریکہ کی وہ دہریہ عورت جو کئی سال ہوئے پیش گوئیاں کرتے کرتے ٹہل گئی۔ اپنے انتقال پرملال کی پیش گوئی نہ کر سکی!

خبر نہیں کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

اس انٹرویو کے بارے میں ہمارے محترم ریڈرز کی ٹیلی فون کالز کا تانتا بندھ گیا ہے۔ شاید اس لئے کہ ان کے پاس ڈاکٹر اسرار احمد کا فون نمبر نہیں ہے۔ ان میں بہت سے خواتین و حضرات نے حکم دیا ہے' درخواست کی ہے' فرمائش کی ہے کہ ہم مہدی و مسیح کی آمد کے بارے میں کچھ رقم کریں۔

آمدِ ثانی پر ایمان کی ضرورت:- سب سے پہلے یہ عرض کرتا ہے صاحبو! کہ مہدی یا مسیحؑ کی آمدِ ثانی کا عقیدہ ایمان کے ارکان میں شامل نہیں ہے۔ (دیکھئے سورۃ بقرہ آیت نمبر 177) دوسری گذارش یہ کہ چونکہ ہم ماہرین کی قوم ہیں للہذا ہماری قوم کا ہر فرد مفتی بھی ہوتا ہے اور عالِم بھی ہوتا ہے۔ ہم اپنی چند سالہ قلمی زندگی میں فتوؤں کے لائق بہت سی باتیں لکھ چکے ہیں لیکن یہ اعزاز ابھی تک ہمارے حصے میں نہیں آیا۔ بہرکیف آج ہم مہدی و مسیحؑ کے بارے میں کچھ کتابوں کے اقتباسات پیش کریں گے۔ اپنی جانب سے صرف تبصرہ کریں گے۔ بحمد للہ ہمارے معزز ریڈرز اتنے باشعور ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے اپنے نتائج خود اخذ فرمائیں گے۔ فتویٰ گر خواتین و حضرات کو کچھ عرصہ انتظار کی زحمت ہو گی۔

صاحبو! اگر اپنے پرانے عقیدے آپکو دل و جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ اگر آپ کو سنی سنائی روایات کے اندھیرے علم و یقین کی روشنی سے بہتر لگتے ہیں۔ اگر آپ کو خدا کی عطا کردہ عقل و حکمت سے کام لینا گراں لگتا ہے تو اس مقام پر ٹھہر جائیے۔ کوئی اور مضمون پڑھیئے۔ کوئی اور کتاب کھول لیجئے۔ ٹیلی وژن آن کر لیجئے یا ٹہلنے چلے جائیے۔ لیکن اگر آپ حقیقت کے متلاشی ہیں۔ سچائی جاننا چاہتے ہیں تو آگے پڑھیئے اور خود اپنے نتائج پر پہنچئے۔ نوٹ کر لیجئے کہ ہمارے عوام یہ تو کہتے ہیں کہ مہدی و مسیحؑ کی آمد کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے یہ روایات خود نہیں پڑھیں۔ یہ نہیں دیکھا کہ ان روایات میں کتنا تضاد ہے' کیا مضحکہ خیز اور بے سروپا باتیں کی گئی ہیں۔ ایسی روایات کو رسولِ کریمؐ سے منسوب کرنا توہین نہیں تو اور کیا ہے؟

پیش ہیں کچھ اقتباسات بہت سی اہم مذہبی کتابوں سے۔ مہدی و مسیحؑ کے بارے میں۔

تاریخ و روایات

○ رسولؐ نے فرمایا' ایک شخص مجھ سے (یا میرے گھرانے سے) اٹھے گا۔ اس کا نام محمد بن عبداللہ ہو گا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا (ابو داؤد جلد سوئم کتاب المہدی)

○ اس آنے والے کا نام (محمد بن عبداللہ نہیں) مہدی ہو گا (ایضاً" وہی کتاب ابوداؤد)

○ آخر زمانے میں آنے والا فاطمہ کی اولاد سے ہو گا (ایضاً"- وہی کتاب المہدی)

○ حضرت علیؓ نے قولِ نبیؐ بیان کیا کہ ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام حارث ہو گا۔ اس کے آگے آگے ایک شخص منصور نامی چلے گا جو آل محمدؐ کو اقتدار دے گا۔

○ یعنی اس کا نام نہ مہدی ہو گا نہ محمد بن عبداللہ بلکہ حارث یا منصور ہو گا! (کتاب المہدی۔ ابوداؤد)

○ نبیؐ نے مہدی کی خوشخبری سنائی کہ وہ اختلاف کے زمانے میں ظاہر ہو کر عدل و انصاف عام کریں گے۔ وہ سات' آٹھ یا نو سال رہیں گے اور پھر کوئی خیر باقی نہ رہے گا۔ (مسند احمد۔ مختلف ایڈیشن) (صرف سات' آٹھ یا نو سال! عیسیٰؑ کا کوئی ذکر نہیں۔ بس پھر اندھیر)۔ امام مہدی بن حسن عسکری 255ھ میں پیدا ہوئے۔ 260ھ میں اپنے والد کی وفات سے دس دن پہلے چار پانچ سال کی عمر میں غائب ہو گئے اور بغداد کے نزدیک اکیلےؔ اپنے شہر "سرا من راء" (یا سامرہ) کے غار میں چھپ گئے۔ وہ اپنے ساتھ پورا قرآن' جس میں تیس نہیں چالیس پارے تھے

2600 نہیں 17000 آیات تھیں۔ انبیاء کی قدیم آسمانی ...یں' مصحفِ علیؓ' مصحفِ فاطمہؓ' علم جفر' تمام انبیاء کے ...ے' عصائے موسیٰؑ' قمیصِ آدم' سلیمان کی انگوٹھی (سب ...پنے ساتھ) لے گئے۔ قیامت سے پہلے نکل کر آئیں گے۔ ...بوبکرؓ و عمرؓ کو ان کی قبروں سے نکال کر زندہ کریں گے۔ دن ...رات میں ان دونوں کو ہزار بار زندہ کر کر کے ہزار بار ماریں ...ے۔ دیگر روایات میں ہے کہ عثمانؓ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ...یں گے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ (حبل اللہ نمبر6 صفحہ 32)

○ امام مہدی کے ہاتھ پر سب سے پہلے محمد رسولؐ بیعت کریں گے (بصائر درجات صفحہ 213)

○ مہدی لوگوں کو زندہ کریں گے اور انہیں جنت و دوزخ میں بھیجیں گے (مراۃ الانوار صفحہ 68)

○ امام غائب مہدی ظاہر ہو گا تو نیا دین اور نئی کتاب لائے گا فصل الخطاب صفحہ 283 اور انوار نعمانیہ سید نعمت اللہ محدث الجزائری)۔

○ مہدی ہی اصل قرآن لائیں گے۔ اس وقت تک اسی قرآن سے گزارہ کرو (فصل الخطاب محمد بن یعقوب کلینی بحوالہ حضرت ...علیؓ)

○ ترمذی' مسند احمد بن حنبل' بخاری' مسلم' الکافی' ابوداؤد' ...متعدد کتابوں میں کہیں کہا گیا ہے کہ مہدی کی حکومت سات ...سال چلے گی اور کہیں چالیس سال۔ مہدی یاجوج ماجوج کا ...مقابلہ کریں گے (یاجوج ماجوج کون ہیں؟ یہ آج تک طے نہیں ...ہو سکا) اتنے میں کانا دجال بھی ظاہر ہو جائے گا۔ امام مہدی ...حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کو مار چکنے کے بعد ...مسلمانوں کو مصحفِ علیؓ اور مصحفِ فاطمہؓ پر متحد کریں گے۔ ...یوں کا کام یوں مکمل ہو جائے گا۔ پھر کیا ہو گا؟ (دیکھئے تفہیم ...القرآن جلد نمبر4 صفحہ 156 اور آگے)۔

...مسلمان صفیں باندھ رہے ہونگے اور نماز کے لئے تکبیر ...کہی جا چکی ہو گی کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہو جائیں گے ...مسلمانوں کی امامت کریں گے۔ (تفہیم بحوالہ مشکوٰۃ اور مسلم)

○ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا امیر (یعنی مہدی) ان سے کہے گا کہ آیئے آپ نماز پڑھایئے مگر وہ کہیں گے کہ نہیں۔ تم لوگ خود ہی ایک دوسرے کے امیر ہو (تفہیم القرآن صفحہ 157) (بحوالہ مسلم اور مسند احمد)

○ (مسلمانوں کا) امام پیچھے پلٹے گا تاکہ عیسیٰ آگے بڑھیں مگر عیسیٰ کہیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ وہی نماز پڑھائے گا۔ (صفحہ 160- تفہیم القرآن) (ان تینوں روایات سے واضح نہیں ہوتا کہ نماز پڑھائے گا کون؟ عیسیٰؑ یا مہدی یا کوئی عام مسلمان)

○ سلام پھیرنے کے بعد عیسیٰ کہیں گے دروازہ کھولو۔ باہر دجال ستر ہزار مسلح یہودیوں کے ساتھ موجود ہو گا۔ عیسیٰؑ پر اس کی نظر پڑے گی۔ وہ اس طرح گھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور وہ بھاگ نکلے گا۔ پھر عیسیٰ (میلوں کی دوڑ کے بعد) دجال کو "لد" کے مشرقی دروازے پر جا لیں گے اور اللہ یہودیوں کو ہرا دے گا۔ (تفہیم القرآن صفحہ 160)

○ اگر عیسیٰ دجال کو اس کے حال ہی پر چھوڑ دیں تو وہ آپ ہی گھل کر مر جائے۔ مگر اللہ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور وہ نیزے میں اس کا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔ (یعنی وہ بھاگے گا نہیں) (تفہیم القرآن صفحہ 156)

○ پھر نماز سے فارغ ہو کر عیسیٰؑ اپنا حربہ لے کر دجال کی طرف چلیں گے۔ وہ جب ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھلے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے (نمک نہیں) عیسیٰؑ اپنے حربے سے اس کو ہلاک کر دیں گے (دجال پھر نہیں بھاگا)-(تفہیم القرآن صفحہ 161)

○ مسیح ابن مریم دمشق کے مشرقی حصے میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ زندہ نہ بچے گا۔ اور ان کے سانس کی ہوا ان کی حدِ نظر تک جائے گی۔ (تفہیم القرآن جلد 4، صفحہ 158)

اہلِ مغرب کا طنز

مشہور مستشرق ڈورسی ولیمز لکھتا ہے "مسلمانوں کا مسیح پیلے کپڑے پہنے فرشتوں کا سہارا لیئے اترے گا اور اترتے ہی اژدہے کی طرح پھنکارنے لگے گا اور راکٹوں میزائیلوں کے زمانے میں تلوار چلاتا ہوا نیزہ تھامے ہوئے دھوتی پہنے دجال کے پیچھے میلوں کی دوڑ لگائے گا۔ باقی دنیا کھڑی تماشہ دیکھے گی اور لد (Lydda) کے دروازے پر جا کر دجال کہے گا عیسیٰ بھائی! بہت دوڑ ہو گئی اب تو مجھے مار دے۔ ولیمز یہ بھی لکھتا ہے کہ مسلم' ترمذی' ابوداؤد اور ابن ماجہ کی اس حدیث کے مطابق مسیح ابنِ مریم نماز پڑھنے پڑھانے کے چکر میں نہیں پڑیں گے۔ جبکہ انہی کتابوں میں اور دیگر بہت سی کتابوں میں وہ پہلے نماز پڑھیں گے یا پڑھائیں گے۔ میں مسیح ابن مریم سے درخواست کرونگا کہ انہیں دیکھ کر گھل جانے والے دجال پر نیزہ نہ اٹھائیں۔ اسے آپ ہی گھل کر مرجانے دیں۔ ولیمز لکھتا ہے کہ مسلمان اس خوشی اور اطمینان میں ہی جیتے رہیں گے کہ اگر کسی دجال کو آنا ہے تو اس کی فوج میں صرف ستر ہزار یہودی ہونگے اور وہ بھی صرف تلواریں ہاتھ میں لیئے۔ مسلمانوں کا امام مہدی کھڑا ٹک ٹک تماشہ دیکھے گا اور مسیح ابن مریم ان کے سب کام سنوار دیں گے۔

(The Return of Jesus page:271-273)

مزید روایات

○ دجال کے پیروؤں میں سے کوئی نہ بچے گا جسے عیسیٰ قتل نہ کر دیں۔ (لیکن ابھی تو سب کافر عیسیٰ کی پھنکار سے مر چکے تھے) (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ 158)

○ (مسلمان کیا کریں گے جب مسیح کی پھنکار سے حدِ نظر تک کفار مر جائیں گے؟ تالیاں بجائیں گے)۔ اللہ یہودیوں کو ہرا دے گا۔ (ایضا" صفحہ 160)

○ مسلمان غالب ہوں گے اور صلیب توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ ساقط کر دیں گے۔ (ایضا" صفحہ 162)

○ (نہیں) ابنِ مریم صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو ہلاک کر دیں گے۔ (ایضا" صفحہ 155)

○ اللہ تعالیٰ دجال کو افیق کی گھاٹی کے قریب ہلاک کر دے گا۔ (ایضا" صفحہ 162)

○ ابن مریم دجال کو (افیق میں نہیں) لد کے دروازے پر قتل کریں گے۔ (ایضا" صفحہ 160)

○ دجال یہودیوں میں سے ہو گا (ایضا" صفحہ 165)

○ لامحالہ اب دجال کو تمہارے اندر ہی نکلنا ہے۔ (صفحہ 142- تفہیم القرآن)

○ سید مودودی لکھتے ہیں کہ ان کا (یعنی یہودیوں کا) لٹریچر اس آنے والے دور کے سہانے خوابوں سے بھرا پڑا ہے۔۔۔۔ اس کی خیالی لذت کے سہارے صدیوں سے یہودی جی رہے ہیں۔ (ایضا" صفحہ 165) مسلمانو! اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا مودودی صاحب بھی اسی سہانے خواب کے اسیر نہیں تھے؟

صاحبو! تفہیم القرآن کے یہ اقتباسات ضمیمہ سورۃ الاحزاب کی تفسیر سے لیئے گئے ہیں۔ تفہیم القرآن جلد چہارم مکتبہ تعمیرِ انسانیت لاہور' مصنف سید مودودی۔ مصنف نے یہ احادیث ابوداؤد' مشکوٰۃ' مسند احمد بن حنبل' مسلم' ترمذی' مستدرک حاکم وغیرہ سے نقل کی ہیں۔

○ اسی جلد میں مولوی سید مودودی (صفحہ 163) بجا طور پر فرماتے ہیں۔

"آنے والے کی آمد کا عقیدہ احادیث کے سوا کسی چیز پر مبنی نہیں ہے" (یعنی قرآن میں نہیں ہے)۔

سب قومیں منتظر ہیں

وسیع تر حقیقت یہ ہے کہ آنے والے کا عقیدہ دنیا کے تقریباً" ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ یہودیوں کے مسیح آئیں گے تو ان کو غلبہ دلائیں گے۔ نصاریٰ کے مسیح جب آئیں گے تو مسیحیت دنیا پر چھا جائے گی۔ اسی طرح بدھ مت والوں کے "میتا" آئیں گے تو دنیا کے سب مذاہب کو ختم کر کے ہر شخص کو مہاتما بنا دیں گے۔ پارسیوں کے "مترا" نہ صرف پارسیوں (مجوسیوں) کی عظمتِ رفتہ کو بحال کریں گے بلکہ پوری دنیا کو

... یں گے۔ ہندو مت کے "کالکی اوتار" اور جین مت ... تن تھنکر" دنیا کے سب لوگوں کو ختم کر کے ہندو ... اور جین مت کا جھنڈا سارے عالم پر لہرا دیں گے۔ ... تک کہ امریکہ کے ریڈ انڈین' آسٹریلیا کے "ابوری جینیز" اور افریقہ کے مختلف قبیلے بھی اپنے اپنے دولہا کا ... کر رہے ہیں۔ تصور کیجئے کہ دس' پندرہ آخری آنے ... ے دنیا میں وارد ہو گئے ہیں اور انسانوں کو تڑا تڑ قتل کروا رہے ہیں!

مرزا غلام احمد

سب سے دلچسپ بات مرزا غلام احمد قادیانی نے کہی کہ وہ مہدی بھی ہیں اور مسیح بھی۔ اپنی کتاب شہادت القرآن صفحہ 61 پر فرماتے ہیں :

"بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیئے (یعنی مرزا صاحب کے لیئے) آواز آئے گی کہ پہچانو "**ھٰذا خلیفة اللّٰه مهدی**" (یہی ہے خدا کا خلیفہ مہدی) لیکن ٹریجڈی یہ ہے صاحبو کہ بخاری میں یہ بات ڈھونڈے نہیں ملتی۔

یہ بھی فرمایا مرزا قادیانی نے کہ وہ محمدؐ بھی ہیں' کرشن بھی' مہدی بھی' عیسیٰ بھی اور سب مذاہب کے آخری آنے والے بھی!

گذشتہ 1400 برس میں ان گنت افراد دنیا میں نبوت کا دعویٰ کر گزرے ہیں اور مہدی اور مسیح ہونے کا بھی۔ یہ عقیدہ تن آسان قوموں سے ان کی قوتِ عمل چھین لیتا ہے۔ آنے والا مہدی آئے گا' مسیح آئے گا تو وہ قوم کو خود جگا لے گا۔ ہمارے حالات سنوار دے گا۔ جب کوئی ملا یا صوفی دعویٰ کرتا ہے تو لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ دیگر مذاہب کا یہ شکست خوردہ عقیدہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے پاس الفرقان جیسی کسوٹی نہیں ہے۔ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ سید مودودی اپنی تفہیم القرآن جلد چہارم میں صفحہ 163 پر بجا فرماتے ہیں کہ (مسلمانوں میں) آنے والے کا عقیدہ احادیث کے سوا کسی چیز پر مبنی نہیں ہے۔ (یعنی قرآن میں نہیں ہے)

سرسید احمد خانؒ

اور سرسید احمد خانؒ اپنی تفسیر القرآن حصہ ہفتم صفحہ 123 پر رقم کرتے ہیں :

"ہمارے مفسرین نے صرف عیسائی روایتوں کی پیروی کر کے (حدیثیں گھڑی ہیں اور) یہ معنی قرار دیئے ہیں۔ یہاں اور جلد دوم میں سرسیدؒ فرماتے ہیں کہ مفسرینِ قرآن مجید نے ادریس علیہ السلام کے رفع اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے جو معنی قرار دیئے ہیں قرآن مجید سے یہ مطلب کسی طرح نہیں پایا جاتا۔ قرآن کی مراد ہے بلندیٔ قدر و مرتبہ۔ اسی طرح مہدی و مسیح کی آمد کی جو روایات ہیں وہ ہمارے حصے میں غیر مسلموں کے ہاتھوں ڈالی گئی ہیں اور قرآن کریم ان لغویات سے پوری طرح پاک ہے"۔ بجا فرمایا سرسیدؒ نے۔

(جاری ہے)

سانحہ ارتحال

معروف ماہر تعلیم' مصنف اور اقبال اکیڈیمی کے سابق ڈائریکٹر پروفیسر منور مرزا انتقال فرماگئے ہیں۔ان کی عمر 77 برس تھی۔مرحوم گذشتہ ایک ماہ سے علیل تھے۔انہیں اقبال پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا تھا۔انہوں نے علامہ اقبالؒ کے کلام کی تفہیم و توضیح کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں میزان اقبال' ایقان اقبال' برہان اقبال اور قرطاس اقبال کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ منور مرزا کو اقبال علیہ الرحمتہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔وہ خود کو شاعر مشرق کا فرزند کہتے تھے۔ حق تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں مقامات بلند عطا کرے۔اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ادارہ ان کے اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ طلوع اسلام' لاہور)

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

ادارہ طلوع اسلام کا شعبہ نشرواشاعت مجلّہ طلوع اسلام اور مختلف موضوعات کے چھوٹے چھوٹے پمفلٹس شائع کرتا ہے۔ خریدار حضرات یہ رقوم بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ ڈرافٹ ☆ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام ☆ کے نام ارسال فرمائیں۔ اگر رقم بذریعہ چیک ہی بھیجنا چاہیں تو لاہور سٹی کے باہر کے چیکوں کے ساتھ مبلغ ستر روپے بینک چارجز بھی ارسال فرمائیں **(240=70+170)**

﴿ ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر ﴾

3082-7

نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ، گلبرگ، لاہور ہے

☆ اگر آپ چیک کی رقم کے ساتھ اکاؤنٹ نمبر لکھیں تو صحیح ہے، ورنہ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لکھنا نہ بھولئے۔

☆ اگر آپ بینک میں رقم (Direct) بھیجیں تو اس کے متعلق ادارہ کو ضرور مطلع کریں۔ کہ یہ رقم کس مقصد کے لئے بھیجی گئی ہے۔

1- مجلّہ طلوع اسلام کے لئے 2- پمفلٹ فنڈ کے لئے 3- تبلیغ فنڈ کے لئے

☆ جن قاری حضرات کو مجلّہ ہر ماہ کی چار تاریخ تک نہ ملا ہو وہ ادارہ کو مطلع کریں۔

☆ جن قاری حضرات نے اپنے ایڈریس تبدیل کرانے ہوں۔ وہ ہر ماہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کریں۔ تاکہ شمارہ آپ کو بروقت مل جائے۔ شکریہ

سرکولیشن منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات القرآن

رحم

اسلام کا ضابطہ آئین قرآن ہے اور قرآن کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے الفاظ کا مفہوم خود متعین کر دیتا ہے۔ اسی لیے وہ کتاب مبین ہے' مذہبی مفتروں کی کتاب نہیں ہے لیکن جب قرآن کا دین "مذہب" میں تبدیل ہو گیا تو اس کے الفاظ باقی رہ گئے لیکن ان کا مفہوم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک یہ الفاظ دہراتے رہتے ہیں لیکن کبھی نہیں سوچتے کہ ان الفاظ کا مفہوم کیا ہے۔ ان صفحات میں ایسی ہی منتخب اصطلاحات اور الفاظ کا مفہوم' جو زبان زد عام ہیں' قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس بار رحم کا مفہوم پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

رِحْمٌ و رَحِمٌ بطنِ عورت کا وہ خانہ جس میں بچہ پرورش پاتا ہے اور اس غلاف میں خارجی اثرات سے محفوظ رہتا ہے (تاج)۔ اس معنی میں رُحْمٌ بھی بولا جاتا ہے (راغب)۔ رَحْمَۃٌ وہ عطیہ جو کسی کی ظاہر و باطن کمی کو پورا کر دے (اور جسے ضرورت کے تقاضے کے مطابق دیا جائے) (تاج)۔ عطیہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز بغیر قیمت اور بلا مزد یا بے معاوضہ دی جائے۔ لہٰذا رَحْمَتٌ وہ سامانِ نشوونما ہے جو خدا کی طرف سے بلا معاوضہ ملتا ہے۔ سورۃ روم میں ہے وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَۃً فَرِحُوْا بِھَا۔ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ اِذَا ھُمْ یَقْنَطُوْنَ (30:36)۔ "اور جب ہم لوگوں کو رحمت سے لطف اندوز کراتے ہیں تو وہ اس پر اترا جاتے ہیں اور جب ان پر ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں"۔ یہاں رحمۃ بمقابلہ سیئۃ آیا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد زندگی کی تمام خوشگواریاں مراد ہیں۔ لیکن اس سے اگلی آیت میں رزق کی بسط و کشاد کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہاں رحمتہ سے مراد رزق (سامانِ زیست) ہے جو خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں والدین کے سلسلہ میں اولاد کی آرزو بتائی ہے کہ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا (17:24)۔ "اے میرے رب تو ان کی نشوونما کر جیسا انہوں نے مجھے اس وقت پالا تھا جب میں چھوٹا سا تھا"۔ سامانِ رزق جو بارش سے پیدا ہوتا ہے' یعنی فصلیں' رحمت ہیں (30:46 و 43:28)۔ زندگی کی خوشگواریاں (نعماء) جو بلا معاوضہ ملتی ہیں' رحمت ہیں۔ (11:9-10)۔ قصۂ حضرت موسیٰؑ میں ہے کہ دو یتیم بچوں کا خزانہ جو دیوار کے نیچے مدفون تھا' اسے اللہ کے حکم سے اس طرح محفوظ کر دیا گیا تھا کہ وہ انہیں بلوغت کے بعد ملے۔ اس خدائی انتظام کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے (18:82)۔

نیز رحمۃ کے معنی کسی کو ڈھانپ لینے اور سامانِ حفاظت بہم پہنچانے کے بھی ہوتے ہیں (تاج)۔ اسی لئے قرآن کریم میں ضرر کے مقابلہ میں رحمۃ آیا ہے (10:21 و 30:33) اور سیئۃ کے مقابلہ میں بھی (30:36)۔ اور اَھْلَکَ کے مقابلہ میں رَحِمَ بھی (67:28)۔

چونکہ خدا کی ربوبیت کے معنی صرف انسانی جسم کی نشوونما نہیں بلکہ اس کے شرفِ انسانیت (انسانی ذات۔ Self) کی نشوونما (Development) بھی ہے جو اس ضابطۂ حیات کی رو سے ہوتی ہے جو وحی کے ذریعہ ملتا ہے' اس لئے وحی کو بھی رحمت کہا گیا ہے (2:105 و 43:32)۔ حقیقت یہ ہے کہ وحی کی

راہ نمائی سب سے بڑا ذریعۂ نشوونما ہے جو یکسر وھبی طور پر ملتا ہے' اس لئے رحمت خصوصی ہے۔

چونکہ خدا **رب العالمین** ہے (یعنی تمام کائنات کو نشوونما دینے والا اور نوعِ انسانی کی صلاحیتوں کی تکمیل کرنے والا) اس لئے اس نے سامانِ نشوونما کا وھبی طور پر عطا کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ **كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ** (6:54)- "تمہارے رب نے سامانِ نشوونما کا بہم پہنچانا اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے"۔ اس طرح وہ کائنات کی ہر شے کو اپنے دامنِ ربوبیت و پردۂ رحمت میں لئے ہوئے ہے (40:7)- اسی لئے سورۃ فاتحہ میں' **رب العالمین** کے ساتھ ہی **الرحمن الرحیم** بھی آیا ہے (1:1-2)- زبان کے قاعدے کے لحاظ سے **رحیم** کے معنی ہونگے عمومی طور پر مسلسل سامانِ نشوونما بہم پہنچانے والا اور **رحمٰن** وہ جو کسی ہنگامی ضرورت کے وقت شدت اور غلبہ کے ساتھ سامانِ رحمت بہم پہنچائے (المنار- رَحْمٰنٌ کا وزن فَعْلَانٌ ہے (جیسے **عَطْشَانُ- غَضْبَانُ**) اور رَحِیْمٌ کا وزن فَعِیْلٌ ہے (جیسے عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ وغیرہ)- فَعْلَانٌ ان صفات کے لئے آتا ہے جو شدید اور ہنگامی ہوں اور فَعِیْلٌ ان کے لئے جو لازم و ثابت ہوں-) اول الذکر طریق کو نشوونما کا عام ارتقائی ذریعہ اور ثانی الذکر کو انقلابی ذریعہ کہا جا سکتا ہے- یا دور حاضر کے علم الحیات (Biology) کی اصطلاح میں اول الذکر (Progressive Evolution) ہو گی اور آخر الذکر فجائی ارتقاء (Emergent Evolution)- یہ فرق تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہے- سورۃ الرحمٰن میں ہے **يَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ- كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ** (55:29)- ارض و سماوات میں جو کچھ ہے (اپنی نشوونما کے لئے) خدا (کے ذرائع ربوبیت) کا محتاج ہے- پھر' ان چیزوں کا یہ عالم نہیں کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتی ہیں اس لئے انہیں ایک ہی قسم کا سامانِ نشوونما ملتا رہتا ہے- یہ چیزیں ہر آن تغیرپذیر رہتی ہیں- ان کی حالت میں ہروقت تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے- اس لئے ان کی نشوونما کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں- رِحمِ مادر کے اندر جنین کی نشوونما کا تقاضا کچھ اور- بچے کی پرورش کا تقاضا کچھ اور- بڑے کی پرورش کا تقاضا کچھ اور- جب تک کوئی شے ایک حالت میں رہتی ہے' خدا کی صفتِ رحیمیت کے مطابق اس کی نشوونما ایک انداز سے ہوتی جاتی ہے- لیکن جونہی اس کی حالت بدلتی ہے اس کی صفتِ رحمانیت کے مطابق اس کی نشوونما کے انداز و طریق میں بھی ہنگامی تبدیلی آجاتی ہے- یوں عمومی ارتقاء اور ہنگامی ارتقاء کے قوانینِ خداوندی کے مطابق ہر شے اپنے نقطۂ آغاز سے منزلِ تکمیل تک پہنچ جاتی ہے- یہ ہے رب- رحمٰن اور رحیم سے مراد-

رِحْمٌ کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق قرابت (رشتہ داری) پر بھی کیا جاتا ہے (تاج)- چنانچہ کہا جاتا ہے- **بَيْنَهُمَا رِحْمٌ** (ان دونوں کے درمیان قریبی قرابت داری ہے)- **اَرْحَامٌ** **رِحْمٌ** کی جمع ہے (3:5) یعنی رحم مادر- نیز اس کے معنی رشتہ داری کے آتے ہیں- (60:3)- نیز (4:1) **اُولُوا الْاَرْحَامِ** کے معنی رشتہ داروں کے ہیں (8:75)-

چونکہ **رِحْمٌ** میں نرمی ہوتی ہے اس لئے یہ لفظ سختی کے مقابلہ میں نرمی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے- **اَشِدَّاءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** (48:29)- مخالفین کے مقابل میں سخت اور باہمدگر بہت نرم- سورۃ کہف میں **اَقْرَبَ رُحْمًا**" (18:81) آیا ہے- اس کے معنی ہیں رشتہ داری کا زیادہ پاس کرنے والا- لیکن ابن فارس نے **اَلرُّحْمُ** اور **الرَّحْمَةُ** ہم معنی بتائے ہیں- اس لحاظ سے اس آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ زیادہ مہربان اور ہمدردی کرنے والا' نرم خو اور وفا کیش- ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی **رقت** (نرمی) اور **تعطف** و میلان کے ہیں-

چونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر انسانی بچہ (اپنے پہلے ماں باپ کے گناہ کی پاداش میں) گنہگار پیدا ہوتا ہے اور یہ گناہ عمل سے زائل نہیں ہو سکتا' اس لئے ان کے نزدیک نجات صرف خدا کے رحم (Mercy) سے ملتی ہے- رحم کا یہ تصور غیر قرآنی ہے- قرآن کریم کی رو سے فلاح و فوز (کامیابی و

ہمرانی) اعمالِ صالحہ کا فطری نتیجہ ہے اور یہ سب کچھ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتا ہے جسے قانونِ مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ اس قانون کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (53:39)۔ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ جدوجہد کرے۔ البتہ اس سعی و عمل کے لئے' انسان کو مختلف صلاحیتیں' خارجی کائنات میں سامانِ نشوونما اور عقل کی راہنمائی کے لئے وحی کی روشنی' خدا کی طرف سے بلا مُزد و معاوضہ ملتی ہے' اس لئے یہ سب رحم میں داخل ہے۔ یعنی یہ تمام نشوونما خدا کی طرف سے مفت ملتا ہے۔ اب جو شخص ان چیزوں سے فائدہ اٹھا کر خدا کے قانون کے مطابق اپنی ذات کی نشوونما کرلے گا (جو ایک صحیح معاشرہ کے اندر دوسروں کی ربوبیت سے ہوتی ہے) وہ زندگی کی خوشگواریوں سے بہرہ یاب ہو جائیگا۔ جو ایسا نہ کریگا' وہ ان سے محروم رہ جائے گا۔ اسے خدا کا قانونِ مکافات کہتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنی منزلِ مقصود تک خدا کی (Grace) سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے نتائج کی رو سے' خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق پہنچتا ہے۔ عیسائیت اور اسلام کا یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

آں بہشتے کہ خدائے بتو بخشد ہمہ ہیچ
تا جزائے عملِ تست' چناں چیزے ہست

اسی بنیادی تصور سے قرآنِ کریم ایسی قوم تیار کرتا ہے جو اپنی جنّت کے گل و لالہ اپنے خونِ جگر سے کِھلاتی ہے۔ اور اپنا جہانِ نَو خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق اپنی قوتِ بازو سے پیدا کرتی ہے۔

۲۵ سالہ تجربہ کار
پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ھیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ - ۲۴۳۱۰۴۵ - ۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر :۔
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابو حنیفہؒ کے اقوال زریں

1- بچوں کی پیدائش پر عقیقہ کرنا' زمانہ جاہلیت کی رسم تھی' جسے اسلام نے مٹا دیا۔ (نیل الاوطار جلد پنجم ص 141) اس لئے نہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے اور نہ ہی لڑکی کا۔ (بحوالہ بدائع الصنائع جلد پنجم ص 127)

2- بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کے والدین/ سرپرست اپنی پسند کی شادی سے نہیں روک سکتے۔ (بحر الرائق از قاضی ابن نجیم بحوالہ نیل الاوطار جلد ششم ص 128)

3- ایک سے زیادہ بیوی یعنی تعدد ازواج' اسلامی تعلیمات کی روح کے خلاف ہے۔ (حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی صفحہ 317' پہلا ایڈیشن)

4- دین کو رزق کمانے کا پیشہ نہیں بنانا چاہئے علماء کو اپنی روٹی محنت کر کے حاصل کرنی چاہئے۔ امام صاحبؒ خود اس کی ایک زندہ مثال تھے۔ (بحوالہ مذکورہ)

5- اوقاف' شریعت اسلامی میں حرام ہیں۔ (احکام القرآن از امام ابن العربی جلد دوم صفحہ 698)

6- زمین کو بٹائی پر کاشت کرنا یعنی غیر حاضر زمینداری (فیوڈلزم) شریعت اسلامی میں حرام ہے (ھدایہ' کتاب المزارعۃ کی پہلی سطر)۔

7- پاکستان سمیت' تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی خراجی ہے' جو مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے' یہ نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ خریدی جا سکتی ہے' کوئی شخص ان کا مالک نہیں ہو سکتا۔ حکومت عوام کی طرف سے ان کا انتظام کرتی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد سوم صفحہ 528 کتاب الخراج' اردو ترجمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)۔

8- صرف وہی احادیث قابل قبول ہیں' جو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ اس قول کی بنا پر امام صاحب کو منکر حدیث کہا جاتا ہے۔ امام بخاری نے تو ان کی شان میں ایسے غیر شریفانہ لفظ استعمال کئے ہیں کہ جنہیں نقل نہیں کیا جا سکتا اور کہا کہ (نعوذ باللہ امت مسلمہ میں ان سے زیادہ بدبخت کوئی انسان پیدا نہیں ہوا)۔ (تاریخ صغیر از امام بخاری' حالات امام ابو حنیفہؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

پرویزیت --- اسلام کے خلاف ایک فتنہ جانکاہ؟

(2)

موقر روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی میں اوپر والے عنوان پر کسی نیم تعلیم یافتہ ڈاکٹر احمد علی سراج صاحب کا ایک مضمون نو قسطوں میں شائع ہوا ہے' ان میں سے پہلی تین قسطوں کا جائزہ ماہنامہ طلوع اسلام جنوری 2000ء کی اشاعت میں لیا جا چکا ہے اور اس میں مضمون نگار کی جہالت کو کسی حد تک آشکارا کیا جا چکا ہے۔ ان کی باقی اقساط میں زیادہ تر اسلامی عبادات کے بارے میں پرویز صاحب کی تحقیق کا مذاق اڑایا گیا ہے اور ساتھ ہی علمائے حق کے فتاویٰ دوبارہ تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ مضمون نگار میں اگر تھوڑا بہت علمی ذوق ہوتا تو وہ یہ سب کچھ نو قسطوں کی بجائے ایک قسط میں بیان کر سکتے تھے۔ لیکن غیر ضروری باتوں کو بار بار بیان کرنا' مولوی حضرات کا شیوہ ہے۔ یہ حضرات تین تین گھنٹے بغیر کسی موضوع کے تقریر کر سکتے ہیں!

ویسے مضمون نگار نے اپنے اس طویل مضمون کو ایک قسط میں فرقہ اہل حدیث کے ایک پندرہ روزہ رسالے المنبر فیصل آباد کی 9 دسمبر کی اشاعت میں بھی شائع کرایا ہے۔ ان کے مضمون کی بقیہ جن چھے قسطوں کا اب جائزہ لیا جا رہا ہے' ان میں 35 علمائے حق کے فتاویٰ کو بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ مشہور حضرات کا مختصر سا تعارف کرا دیا جائے تاکہ ان حضرات کی علمی اور اخلاقی سطح کا اندازہ ہو سکے۔

سے باز علماء کا اخلاقی کردار :- سب سے پہلے ان تمام علمائے حق کے مجموعی اخلاقی کردار کو لیتے ہیں کہ کس طرح وہ تھوڑے سے مالی فائدے کیلئے حرام کو حلال کرنے کے فتوے جاری کرتے رہتے ہیں' اس کی صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ کس طرح انہوں نے اسلامی تعلیمات کے خلاف فتویٰ دے کر لاکھوں گھروں کا سکون برباد کر دیا ہے۔

جوئے کے جواز کا فتویٰ :- پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لیکن اس وقت کے حکمران جنرل ضیاء الحق صاحب اس حرام کو جائز قرار دینے پر بضد تھے۔ جب عدالت کے چیف جسٹس جناب شیخ محمد آفتاب صاحب نے ان کی بات نہ مانی تو جنرل صاحب نے انہیں ذلیل کر کے' عدالت سے ہٹا دیا اور عدالت کے فیصلے کو رد کرنے کیلئے علمائے حق' کی خدمات حاصل کی گئیں' اس کا اہتمام مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب نے کیا جن کا نام پرویز صاحب کے خلاف فتویٰ دینے والوں میں پہلے نمبر پر دیا جاتا ہے۔ اس معاملے کا علم مجھے اس وقت ہوا جب ان کا ایک نمائندہ وہ فتویٰ لیکر جامع الشفاء شادمان کالونی کے خطیب مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب سے دستخط کرانے آیا۔ اتفاق سے اس وقت میں مولانا صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے اس نمائندے کو فرمایا کہ وہ ان دستخطوں کیلئے ایک لاکھ روپیہ لیں گے کیونکہ جس صاحب نے یہ فتویٰ دستخط کرانے کیلئے بھیجا ہے اس کی گھوڑ دوڑ کے کلب کے سیکرٹری کے ساتھ کاروبار میں شراکت ہے۔ یہ کاروبار پارس کے نام سے گیس کی ایجنسی ہے' جس سے مولانا کو لاکھوں روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ اس لئے ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ راقم نے وہ فتویٰ

اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جس پر پورے چھیاسٹھ علمائے حق کے دستخط تھے۔ جنہوں نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کو جائز قرار دیا تھا۔ بعد میں تو مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب نے اس فتویٰ کی مذمت میں ایک مضمون لکھا۔ ویسے علماء میں بھی انہیں احترام سے دیکھا جاتا تھا اس لئے بعد میں کسی عالم دین نے اس پر دستخط نہ کئے۔ اخبارات میں اس کا جو ذکر آیا تو اس میں صرف چھیاسٹھ علمائے حق کا ہی ذکر تھا۔ اس فتویٰ کے نتیجہ میں شریعت کورٹ کے فیصلے پر تو عمل نہ ہوا' جبکہ اس کو منسوخ کرنے والے علماء کے فتویٰ پر عمل ہونا شروع ہوا۔ اس سے تو وفاقی شرعی عدالت کا وجود ہی مشکوک ہو گیا کہ اگر اس کے فیصلے کو علماء کے فتاویٰ منسوخ کر سکتے ہیں' تو پھر اس کی قانونی حیثیت کیا ہے اور اس پر اس غریب قوم کے لاکھوں کروڑوں روپے کیوں خرچ کئے جا رہے ہیں!

گھوڑ دوڑ پر ہر سال کروڑوں روپے کا جُوا ہوتا ہے۔ پچھلے سال تو اس نے سب ریکارڈ توڑ دیئے اور جوئے کا کاروبار ایک ارب روپے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ جوئے کی یہ تمام تفصیلات قومی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں اور کبھی کبھی ان چھیاسٹھ علماء کے ساتھ' ان ہزاروں گھروں کی فریاد بھی شائع ہوتی ہے جو اس کی وجہ سے برباد ہو گئے ہیں۔ لیکن پرویز صاحب کے خلاف فتویٰ دینے والے ایک ہزار علمائے حق اور ملک کے دوسرے لاکھوں علماء میں سے کسی نے اس حرام کاروبار پر کبھی انگلی تک نہیں اٹھائی' حالانکہ یہ حضرات چھوٹی چھوٹی باتوں پر تحریکیں چلانی شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی خاموشی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علماء کا اس بارے میں فتویٰ عین اسلام ہے' صرف مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب نے اس فتویٰ کی مخالفت کی تھی۔ دیکھئے کس طرح ہمارے علمائے حق نے ایک حرام کو حلال قرار دینے کا فتویٰ جاری کر کے لاکھوں گھروں کا سکون برباد کر ڈالا ہے۔

بنک کے سود والی زکوٰۃ :- پرویز صاحب کے خلاف فتویٰ دینے والے علمائے حق میں دوسرا نمبر مولانا ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی صاحب کا ہے' ان کے مبلغ علم کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ سابقہ وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف صاحب چند ماہ پہلے ان کے مدرسے میں تشریف لے گئے تھے تو انہیں زکوٰۃ فنڈ سے پچاس لاکھ روپے کا چیک پیش کیا گیا جسے ڈاکٹر صاحب نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ خیال رہے ہمارے ہاں جو سرکاری زکوٰۃ فنڈ ہے' وہ بنک کے خالص حرام سود پر مشتمل ہے۔اس میں ایک پیسہ بھی حلال کا نہیں۔ بنک سات آٹھ فیصدی' کھاتہ داروں کو سود دیتے ہیں اس سود میں سے اڑھائی فیصد کاٹ کر اسے زکوٰۃ فنڈ میں منتقل کر دیا جاتا ہے' اس کے حرام ہونے کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ بینکوں کے جاری کھاتوں پر چونکہ کوئی سود نہیں دیا جاتا' اس لئے ان سے زکوٰۃ بھی وضع نہیں کی جاتی۔ ہاں اگر ان جاری کھاتوں سے بھی زکوٰۃ منہا کی جاتی تو پھر اس میں کچھ حلال رقم بھی جمع ہو جاتی۔ اب زکوٰۃ فنڈ خالص سود کی رقم پر مشتمل ہے۔ ویسے زکوٰۃ کے بارے میں شریعت اسلامی کا حکم یہ ہے کہ یہ جس علاقے سے جمع کی جائے پہلے اس علاقے کے غریبوں پر اسے خرچ کیا جائے' کچھ باقی بچے تو حکومت کے بیت المال میں جمع کرایا جائے۔ ہمارے درجنوں غریب لوگ' غربت کی وجہ سے خود کُشیاں کر رہے ہیں اور ہمارے علماءِ حق' ان کے حق کو غصب کر کے پچاس پچاس لاکھ روپے کے چیک وصول کر رہے ہیں۔ ایک عام ان پڑھ آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ بنکوں سے جو زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے وہ خالص سود ہے۔ لیکن علماء حضرات اس حرام کو حرام طریقے سے حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں حکومت کی جانب سے ہی ایک رپورٹ شائع کی گئی تھی کہ زکوٰۃ فنڈ سے 3704 دینی مدارس کی امداد کی گئی' لیکن پڑتال پر معلوم ہوا کہ ان میں سے آدھے مدارس کا کہیں وجود تک نہیں تھا۔ یہ سب کچھ فتویٰ باز علماء کے سامنے ہو رہا ہے لیکن کبھی انہوں نے اس پر انگلی تک نہیں اٹھائی۔

فتویٰ بازوں کا مبلغ علم :- فتویٰ پر تیسرے نمبر پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی کے دستخط ہیں۔ ان کے مبلغ علم

راقم کو ذاتی علم ہے کہ بیچارے عربی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے کفر اور اسلام میں فرق نہیں کر سکتے۔ دس پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ انہوں نے اپنے ایک سالانہ اجلاس میں تحریک خلافت شروع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس جلسے کی صدارت کے لئے ہندوستان کے نامور عالم دین علامہ سعید احمد اکبر آبادی کو بلایا گیا تھا' راقم بھی مدعوئین میں شامل تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مسئلہ خلافت پر ایک دھواں دار تقریر کی' اس میں اس نکتے پر زور دیا کہ انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے' اس لئے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس دنیا میں خلافت کا نظام قائم کرے۔ راقم ان کی یہ تقریر سن کر چکرا گیا۔ کیونکہ ہمارے عظیم علماء نے جن میں امام ابن تیمیہ بھی شامل تھے' اس عقیدے کو خالص کفر قرار دیا تھا (ملاحظہ ہو ان کی کتاب الفتاویٰ الکبریٰ جلد دوم صفحہ 553)

لطف کی بات تو یہ ہے کہ تقریب کے صدر علامہ سعید احمد اکبر آبادی صاحب نے اپنی کتاب سیرت ابوبکرؓ کے صفحہ 90 پر علامہ الماوردی کے حوالے سے یہ لکھا تھا کہ امت مسلمہ کے تمام علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ انسان خدا کا خلیفہ ہے وہ فاسق و فاجر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی اس دھواں دھار تقریر کے بعد یہ تمام فتاویٰ میری نظروں کے سامنے گھومنے لگے۔ اور جب انہوں نے اپنی تقریر ختم کی تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ان کی توجہ عظیم علماء کے فتاویٰ کی طرف دلائی۔ وہ یہ بات سننے پر تیار نہیں تھے اور سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ میں نے عرض کیا کہ مولانا سعید سے پوچھ لیں جنہوں نے اپنی کتاب سیرت ابوبکرؓ میں اس عقیدے کی مذمت کرتے ہوئے عظیم علمائے اسلام کے فتاویٰ نقل کئے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ان کی طرف دیکھا وہ چونکہ ان کے مہمان تھے اس لئے میری طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے معاملے کو گول مول کرنے کی کوشش کی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب تیز ہو کر بولے کہ یہ عقیدہ کیسے کفر ہو سکتا ہے جب کہ مفکر اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور موجودہ زمانے کے امام' امین احسن اصلاحی صاحب نے اس عقیدے کی بنیاد پر جماعت اسلامی کی عمارت تعمیر کی تھی۔ اور مجھے فرمایا کہ میں مودودی صاحب کی کتاب "اسلام کا سیاسی نظریہ" کا مطالعہ کروں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں اس کتاب پر اردو اور انگریزی زبان میں تبصرہ کر کے مودودی صاحب پر عقیدے کی یہ غلطی واضح کر چکا تھا۔ مجھے اس بات پر دلی صدمہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے حق بات کے سامنے آنے کے بعد اسے قبول نہ کیا اور نہ ہی ان فتاویٰ پر ایک نظر ڈالنے کی زحمت گوارا کی بلکہ ابھی تک وہ اس عقیدے پر اصرار کرتے ہیں کہ انسان' خدا کا خلیفہ ہے ایک دو ماہ پہلے روزنامہ پاکستان میں ان کا مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اگر عربی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے خلیفہ کے لغوی معنی سے وہ ناواقف تھے تو کم از کم عام عقل سے ہی کام لیتے۔ کیونکہ ان کے اس عقیدے کے مطابق تو فرعون' ابو لہب' ابو جہل' کارل مارکس' لینن تمام اللہ تعالیٰ کے خلیفے قرار دیئے جائیں گے۔ اردو میں بھی خلف الرشید' کسی وارث یا بعد میں آنے والے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ خلیفہ کے معنی بعد کے آنے والے کے ہیں' کیا اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی آنے والا ہے' ڈاکٹر صاحب تھوڑی سی عقل استعمال کریں۔

فیوڈلزم کے علمبردار:- پرویز صاحب کے خلاف فتوے دینے والوں میں چوتھا نمبر مولانا محمد تقی عثمانی صاحب جسٹس شرعی بینچ' سپریم کورٹ کا ہے۔ جب وہ اس عہدے پر تھے تو انہوں نے غیر حاضر زمینداری جسے عرف عام میں فیوڈلزم کہتے ہیں کے جواز میں سینکڑوں صفحات پر مشتمل فیصلہ دیا تھا۔ اس فیصلہ کے لئے تمام حوالہ جات انہوں نے ہی مہیا کئے تھے۔ خیال رہے کہ غیر حاضر زمینداری کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے سب سے بڑا سودی معاملہ قرار دیا تھا۔ اس موضوع پر آپ کی احادیث سنن ابوداؤد میں موجود ہیں ان کے صحیح ہونے کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ موجودہ زمانے کی علمی تحقیق سے بھی ان

ارشاداتِ رسولؐ کی تائید ہوتی ہے' موجودہ زمانے کے مشہور ماہرِ معاشیات اپنی کتاب جنرل تھیوری کے صفحات 242 اور 243 پر لکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں زمین کا کرایہ ہی سود کی سب سے بڑی شکل تھی' تھوڑی سی عقل استعمال کی جائے تو بھی یہ سودی معاملہ نظر آتا ہے لیکن مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے ان صحیح احادیث کو رد کرتے ہوئے فیوڈلزم کو جائز ثابت کرنے کیلئے سینکڑوں صفحات پر مشتمل فیصلہ دے کر ملک کے کروڑوں بے زمین کسانوں کی زندگی حرام کردی۔ بڑے بڑے زمیندار ان بچارے کسانوں پر جو ظلم ڈھاتے ہیں' ان کی تفصیلات قومی اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جو بھی ان کے سامنے بولنے کی جرأت کرے اس کے پورے خاندان کو یہ ظالم لوگ اپنی پرائیویٹ جیلوں میں بند کر دیتے ہیں۔ حال ہی میں ہزاروں ایسے کسانوں کو ان ظالموں کی جیلوں سے رہا کرایا گیا ہے۔

راقم نے اس فیصلے کے خلاف ایک سخت مضمون انگریزی اخبار روزنامہ پاکستان ٹائمز میں شائع کرایا' جس میں یہ بتایا گیا کہ ہمارے ملک کی تمام اراضی خراجی ہے۔ جو نہ تو خریدی جا سکتی ہے اور نہ ہی بیچی جا سکتی ہے۔ یہ ساری قوم کی مشترکہ ملکیت ہے اس لئے غیر حاضر زمینداری یا فیوڈلزم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر جج صاحبان اس بارے میں فقہ کی بالکل ابتدائی کتاب "مالابدمنہ" پر ایک نظر ڈال لیتے تو ان کے فیصلے کے لئے صرف آدھا صفحہ ہی کافی ہوتا۔ اور انہوں نے جو کئی مہینوں کی محنت اور اس غریب قوم کے لاکھوں روپے خرچ کئے ہیں وہ بچ جاتے۔

پاکستان کے اس وقت کے اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار صاحب نے میرے مضمون کا نوٹس لیا اور اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کیلئے بندہ سے کیس تیار کرایا۔ لیکن معلوم نہیں اس بارے میں انہوں نے مزید کیا کاروائی کی۔

اختصار کو مدِّنظر رکھتے ہوئے فتویٰ بازوں کے ان چوٹی کے چار علماء کا تعارف ہی کافی ہے۔ باقی تو ان سے کم حیثیت کے علماء ہیں اس لئے ان کے مبلغِ علم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ جہاں تک ان فتویٰ باز علماء سمیت ملک کے لاکھوں علماء کے کردار کا تعلق ہے' اس کی جھلک اوپر دکھائی جا چکی ہے کہ کس طرح انہوں نے گھوڑ دوڑ جوئے کو جائز قرار دیکر' ملک کے لاکھوں گھروں کا سکون برباد کر دیا ہے۔ اب ہم مضمون نگار کے ان اعتراضات کو لیتے ہیں۔ جن کے ذریعے اس نے پرویز صاحب کی اسلامی عبادات کی تحقیق کے حوالے سے ان پر کیچڑ اچھالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"پرویز صاحب نے چونکہ دینِ اسلام کا ایک نیا نقشہ پیش کیا جس کے لئے ضروری تھا کہ مسلّمہ حقائق کی نفی کی جائے تاکہ مسلمان اپنی عبادات اور ایمانیات کے بارے میں شک و شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔ چنانچہ پرویز صاحب نے ارکان اسلام کا اس طرح تمسخر اڑایا۔ ہماری صلوٰۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا ایشور بھگتی کہلاتی ہے' ہمارے روزے وہی ہیں' جنہیں مذہب میں برت کہتے ہیں' ہماری زکوٰۃ وہی شے ہے جسے خیرات' ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے۔ ہمارے ہاں یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے ثواب ہوتا ہے' اب یہ تمام عبادات اس لئے سرانجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے' ان امور کو نہ احادیث سے تعلق ہے نہ عقل و بصیرت سے کچھ واسطہ۔ ہم آج بھی اسی مقام پر ہیں' جہاں اسلام سے پہلے دنیا تھی"۔ (قرآنی فیصلے ص 301 تا 302)-(روزنامہ نوائے وقت 3 دسمبر 1999ء)

حج پر قربانی:- معلوم نہیں ان سطور میں کون سی بات' اسلامی تعلیمات کے خلاف تھی کہ جس کی بنا پر ایک ہزار علماء نے پرویز صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ اس بارے میں مضمون نگار کی جہالت کو آشکارا کرنے کیلئے ان عبارات پر ان کے تفصیلی اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے ہم قربانی کو لیتے ہیں جس کا زیادہ تر مسئلہ مولوی حضرات کے پیٹ سے ہے۔ اس بارے میں اعتراض سنئے۔

"قربانی تو حج کے موقع پر کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ تھی۔ اب جس طرح وہاں جانور ذبح کر کے دبائے جاتے ہیں نہ

... مقصودِ خداوندی ہے اور نہ ہی ان کی ہم آہنگی میں ہر جگہ جانوروں کا ذبح کرنا بغیر کسی مقصد و غایت کو اپنے ساتھ لئے ہوئے۔ وہاں بھی سب کچھ ضائع کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی۔ (قرآنی فیصلے ص 65) "یہ ہے وہ بے رحم توہین و تضحیک جو پرویز صاحب نے قربانی کے بارے میں احادیث نبوی کے متعلق کی ہے اور اس پر بھی دعویٰ ہے کہ میں مسلمان ہوں" (ایضاً 17 دسمبر 1999ء)

اس مضمون کی پہلی قسط میں مضمون نگار کی جہالت کی بہت سی جھلکیاں دکھائی جا چکی ہیں یہاں تک کہ اس نے اپنی جہالت کی بنا پر ختم نبوت کے عقیدے کو بھی مشکوک بنا دیا تھا' اس اعتراض میں تو اس نے جہالت کی تمام حدوں کو پھاند لیا ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ قربانی' حج کا رکن نہیں ہے' رسولؐ اللہ کے زمانے میں ایک لاکھ حجاج میں سے صرف چند حجاج نے قربانی کی تھی' باقی حجاج کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی طرف سے سو اونٹ ذبح کئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تمام حجاج کی گوشت کی ضروریات پوری نہیں ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ جانوروں کی سریوں کو بھی کھا گئے۔ جن حجاج کو اس میں سے حصہ نہ مل سکا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دلجوئی کیلئے' اپنے بال منڈانے کے بعد ان میں بطور تبرک تقسیم کئے۔ جہاں لوگ جانوروں کی سریوں تک کھا جائیں وہاں گوشت کی ایک بوٹی ضائع ہونے کا امکان نہیں تھا۔ (نیل الاوطار جلد پنجم صفحہ 74)

اگر مضمون نگار کا دینی علم ناقص تھا تو وہ آج کل کے حالات پر ہی نظر ڈال لیتا۔ مثلاً پچھلے سال بیس لاکھ حاجیوں نے حج ادا کیا۔ ان کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف چار لاکھ نے قربانی کی باقی سولہ لاکھ نے قربانی کے بغیر حج ادا کیا۔ دراصل جن حجاج نے قربانی دی وہ معروف قربانی نہیں بلکہ ایک معمولی حج جسے اصطلاح میں حج تمتع کہتے ہیں' کے جرمانے کے طور پر ادا کی تھی۔ یہ جرمانہ خود اللہ تعالیٰ نے سورت البقرہ کی آیت 196 میں لگایا ہے۔ لیکن ساتھ ہی بدل کے طور پر یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر قربانی نہ ملے تو دس دن کے روزے رکھے جا سکتے ہیں' تین روزے حج کے دنوں میں اور باقی سات گھر واپس آکر' ہمارے ملک سے جو لوگ حج کیلئے جاتے ہیں انہیں یہ تو معلوم نہیں کہ افضل حج تو وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا تھا جسے حج قرآن کہتے ہیں۔ اس حج میں میقات سے حج کا احرام باندھنے کے بعد حج کی تمام رسوم ادا کرنے کے بعد اسے کھولا جاتا ہے۔ جب کہ حج تمتع میں پہلے عمرہ کر لیا جاتا ہے اور احرام کھول لیا جاتا ہے اور پھر آٹھویں ذوالحج کو حج کیلئے دوبارہ احرام باندھا جاتا ہے۔ اس فرق سے ظاہر ہے کہ حج قرآن جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا تھا' اس میں زیادہ دنوں کے لئے احرام باندھا جاتا ہے۔ جبکہ حج تمتع کیلئے صرف چند دن۔ عربی لفظ تمتع کے معنی "موج اڑانے" کے ہیں' اس لئے حضرت عمرؓ نے ایسے حج پر پابندی لگا دی تھی۔ ان کی یہ پابندی قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کے عین مطابق تھی۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے مسلمان مشکلات میں گھرے ہوئے تھے اس لئے اس کی اجازت تھی لیکن اگر اب کسی نے حج تمتع ادا کیا تو اسے سزا دی جائیگی (بدایتہ المجتہد از ابن رشد جلد اول صفحہ 321)

لیکن ہمارے ملک کے اکثر حجاج تو کجا' خود علماء حضرات کو اس فرق کا علم نہیں' اس لئے سب کے سب ناقص حج تمتع ادا کرتے ہیں اور اس کی تلافی کیلئے جانور کی قربانی دیتے ہیں۔ پھر اگر ان حاجیوں کو یہ معلوم ہو کہ وہ اس قربانی کی بجائے دس دن کے روزے رکھ سکتے ہیں تو وہ یقیناً ایسا کرتے اور اس طرح اپنے حج کے اخراجات سے چھ ہزار روپے بچا لیتے۔ خیال رہے کہ قربانی کے جانور' ارجنٹائن سے درآمد کئے جاتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے حاجیوں کو اس بارے میں شرعی حکم کا علم ہو تو وہ قربانی کی بجائے دس روزے رکھ کر کروڑوں روپے کا زرمبادلہ بچا سکتے ہیں۔

قربانی کی شرعی حیثیت :- جہاں تک حج سے باہر قربانی کا تعلق ...

گا' اسے ثواب ملے گا لیکن اگر کوئی نہیں کرے گا تو اسے کوئی گناہ نہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول صفحہ 521) بعض فقہاء کے نزدیک عمر بھر میں حج کی طرح' صرف ایک قربانی ہے۔ حضرت زین العابدین علی بن حسین فرماتے ہیں کہ ان کا پورا خاندان بنو ہاشم رسول اللہ ﷺ کی قربانی کو اپنے لئے کافی سمجھتا تھا اور ان میں سے کوئی قربانی نہیں کرتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں فقہ کی تمام کتابوں میں یہ فیصلہ موجود ہے کہ وہ اس لئے قربانی نہیں کرتے تھے کہ کہیں لوگ اسے ضروری نہ سمجھ لیں۔ (کتاب الام از امام شافعی جلد دوم صفحہ 189)

یہی نہیں بلکہ حضرت ابن عباسؓ سمیت اکثر صحابہ قربانی نہیں کرتے تھے۔ آج بھی عرب ممالک میں اسی پر عمل ہوتا ہے اور سارے محلے میں صرف ایک قربانی کی جاتی ہے لیکن اس بارے میں ہمارے علماء حضرات لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ گھر میں ایک سے زیادہ قربانیاں ہوں۔ وجہ ظاہر ہے کہ کھالیں انہیں ملتی ہیں۔

زکوٰۃ :- زکوٰۃ کے بارے میں پرویز صاحب کی تحقیق پر مضمون نگار ان کی عبارت نقل کر کے یوں کیچڑ اچھالتے ہیں پہلے پرویز صاحب کی تحقیق : "زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی' اگر خلافتِ راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصد مناسب سمجھا تھا تو اس وقت بھی یہی شرح' شرعی تھی۔ آج اگر کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا بیس فیصد ہے تو یہی بیس فیصدی شرح شرعی قرار پائے گی۔" (قرآنی فیصلے صفحہ 35)

اب مضمون نگار کی کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی تحریر ملاحظہ ہو۔ کوڑھ مغز پرویز کو زکوٰۃ اور ملکی ٹیکس کا مطلب اور مصرف سمجھ ہی نہیں آیا۔ قرآن و حدیث سے یہ واضح ہے کہ زکوٰۃ ایک ایسی کٹوتی ہے جو صاحبانِ نصاب اپنے جمع شدہ مال پر ہر سال اڑھائی فیصد کے حساب سے ادا کرنے کے مکلف ہیں جو مفلس و نادار ضرورت مندوں کو ادا کی جاتی ہے اور حکومتی ٹیکس ایک جداگانہ کٹوتی ہے جو ملکی ضروریات اور حکومت کی طرف سے بعض خصوصی سہولیات و مراعات بہم پہنچانے کے عوض عائد کی جاتی ہے۔ (ایضاً" بابت 3 دسمبر 1999ء)

اب دیکھئے کہ اس بارے میں امت مسلمہ کے تمام علماء کا اجماعی فیصلہ کیا ہے۔ امام عبدالوہاب الشعرانی نے اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ جلد دوم کے صفحہ دو پر تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دنیاوی ٹیکس نہیں' حنفی فقہا جن کی فقہ پر ہمارے ملک میں عمل کیا جاتا ہے وہ تو اس معاملے میں اور زیادہ سخت تھے۔ انہوں نے اس بارے میں یہ فتویٰ جاری کیا کہ اگر کوئی مسلمان حکمران زکوٰۃ کے ساتھ دنیاوی ٹیکس لگائے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ (احکام القرآن جلد دوم ص 38)

خلافت راشدہ کے بعد جب بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو بعض حکمرانوں نے' زکوٰۃ کی رقم کو عیش و عشرت میں اڑانا شروع کیا تو نیک دل مسلمانوں کو اس پر دکھ ہوا۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ابھی زندہ تھے۔ اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ زکوٰۃ حکومت کا حق (ٹیکس) ہے اسے حکمرانوں کو ہی دینا ہو گا چاہے وہ اسے شراب خوری میں ہی کیوں نہ اڑا دیں۔ (نیل الاوطار جلد چہارم صفحہ 165 مصنف قاضی شوکانی)

ان تفصیلات کی بناء پر امام شافعی نے تو زکوٰۃ کے لئے سرے سے ٹیکس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب دیکھئے جاہل مضمون نگار نے پرویز صاحب پر کیچڑ اچھالنے کیلئے جو ان کیلئے کوڑھ مغز کا لفظ استعمال کیا ہے اس کی زد کن صالحینِ امت پر پڑتی ہے۔ امام شعرانی نے تو زکوٰۃ کو حکومت کا ٹیکس ہونے پر اجماع امت نقل کیا ہے۔ اس طرح اس جاہل مضمون نگار کی طنز کی زد تو امت مسلمہ کے تمام عظیم علماء پر پڑتی ہے۔

نماز یا صلوٰۃ :- اس بارے میں مضمون نگار پرویز صاحب کی یہ تحقیق پیش کر کے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

"عجم میں مجوسیوں (پارسیوں) کے ہاں پرستش کی رسم کو نماز کہا جاتا ہے' قرآن کریم نے نماز پڑھنے کیلئے نہیں کہا' قیام صلٰوۃ یعنی نماز کے قیام کا حکم دیا ہے۔ اب حالت یہ ہو چکی ہے کہ **اقیمو الصلٰوۃ** سے ذہن' نماز پڑھنے کے علاوہ' کسی اور طرف منتقل نہیں ہوتا ان کی (مسلمانوں) کی نماز ایک وقت معینہ کے لئے ایک عمارت (مسجد) کی چار دیواری کے اندر ایک عارضی عمل بن کر رہ جاتی ہے (معارف القرآن جلد چہارم ص 328) پرویز کے نزدیک اقام الصلٰوۃ سے مراد ہے معاشرے کو ان بنیادوں پر قائم کرنا' جن پر ربوبیتِ نوعِ انسانی (رب العالمینی) کی عمارت استوار ہوتی جائے' (نظام ربوبیت ص 87)۔

اس پر اعتراض کرتے ہوئے معترض فرماتے ہیں کہ پرویز کا عقیدہ اقام الصلٰوۃ کا ہے جس کا مفہوم نظام اسلام قائم کرنا ہے نہ کہ عام مفہوم میں نماز پڑھنا۔ جبکہ اجتماعاتِ صلٰوۃ سے نماز پڑھنے کا مفہوم ہی سمجھ میں آتا ہے۔ حقیقت ہے جب انسان گمراہ ہوتا ہے تو تضادات کا شکار ہو جاتا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی 3 دسمبر 1999 ص 5)

لغت میں بھی اقامت صلٰوۃ کے معنی نماز قائم کرنا کے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے نظام صلٰوۃ یا اسلامی نظام قائم کیا تھا۔ لیکن چونکہ اس نظام کا قیام ان فتویٰ باز مولویوں کے لئے موت کا پیغام ہے اس لئے یہ قرآنی حکم کہ نماز قائم کرو کا ترجمہ نماز پڑھو کرتے ہیں اگر صرف نماز پڑھنی ہوتی تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اقراء کا لفظ بھی استعمال کر سکتے تھے۔ یہ علماء حضرات پچھلے پچاس سال سے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ بعض علماء حضرات جیسے مودودی صاحب اور علامہ طاہر القادری صاحب کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کے بارے سینکڑوں کتابوں سے الماریاں بھر دی ہیں' لیکن ملک کے ان لاکھوں علماء میں سے ابھی تک کسی ایک نے بھی اسلامی نظام کا خاکہ تک پیش نہیں کیا۔ یا تو ان حضرات کو اس کا علم نہیں یا جان بوجھ کر وہ ایسا نہیں کر رہے۔ دونوں حالتوں میں ان کا طرز عمل قابل مذمت ہے۔ نظام اسلام کو عملاً" روکنے کیلئے ان حضرات نے قرآن مجید میں تحریف کرنے سے بھی گریز نہیں کیا اور نظام صلٰوۃ قائم کرنے کی بجائے اسے صرف نماز پڑھنے تک محدود کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ایک جگہ پر بھی نماز پڑھنے کیلئے نہیں کہا گیا بلکہ ہر جگہ اسے قائم کرنے کا حکم دیا ہے لیکن قرآن مجید کا یہ حکم مولوی حضرات کو قبول نہیں اور اگر کوئی انہیں اس کے صحیح معنی بتائے تو اس پر کفر کے فتوے لگانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ سبحان اللہ۔

قرآن پر غور و فکر کرنے سے منع :- آخر میں دیکھئے یہ حضرات کس طرح مسلمانوں کو قرآن مجید پر غور و فکر کرنے سے منع کرتے ہیں۔ پہلے وہ اس بارے میں پرویز صاحب کا مسلک ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں :

"یہ عقیدہ کہ بلا سوچے سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ہوتا ہے' یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ درحقیقت عہدِ سحر کی یادگار ہے۔" (قرآنی فیصلے ص 184)

اس پر مضمون نگار یہ اعتراض فرماتے ہیں :

"پوری امت فضائلِ تلاوت سے بذریعہ احادیثِ نبوی ﷺ آگاہ ہے اور آج تک اس عمل سے اپنے سینوں کو منور کرتی چلی آرہی ہے۔ جب خود قرآن پاک نے تلاوت قرآن کو بعثت نبوی ﷺ کا مقصد اول قرار دیا ہے تو پھر عمل رسول صلعم امت کے لئے حجت کیونکر نہ ہو' ایمان والے تو تلاوت قرآن سے اپنے ایمان کو جلا دیتے ہیں اور بدبخت پرویز اس کا رشتہ جادو منتر سے جوڑتا ہے۔" (ایضاً" 17 دسمبر 1999ء)

اس سے مضمون نگار صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید صرف تلاوت یعنی پڑھنے کیلئے ہے اس پر غور و فکر نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار قرآن مجید پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے یہاں تک فرمایا ہے کہ **اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا**۔ کہ وہ قرآن مجید پر غور کیوں نہیں

کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ لیکن مضمون نگار مسلمانوں کو قرآن مجید پر غور و فکر کرنے سے روکنے کیلئے ان کے دلوں پر قفل لگا رہے ہیں' اصل بات یہ ہے کہ اگر لوگوں نے قرآن مجید پر غور و فکر کر کے اسے سمجھ لیا تو پھر ان فتویٰ باز مولویوں کو کون پوچھے گا۔ پرویز صاحب کا سب سے بڑا جرم تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید پر غور و فکر کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور انہوں نے یہ بھی کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ قرآن مجید پر غور و فکر سے جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے صرف وہی حق ہے۔ بلکہ کوئی دوسرا اس طرح غور و فکر کرنے کے بعد کسی دوسرے نتیجے پر بھی پہنچ سکتا ہے۔ پرویز صاحب کا سب سے بڑا جرم یہی ہے اور نیم تعلیم یافتہ مولوی لوگ جن کے مبلغ علم اور کردار کے بارے میں شروع میں تفصیلاً بتایا جا چکا ہے انہیں کیسے معاف کر سکتے ہیں کیونکہ اس غور و فکر کے بعد ان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ (ختم شد)

نوٹ: نوائے وقت راولپنڈی نے پرویز صاحب کے خلاف کفر کے فتویٰ کی نو قسطیں شائع کیں۔ ان کا مناسب جواب دیا گیا ہے۔ اس لئے اخبار مذکور کا صحافیانہ اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس مضمون کے جواب کو بھی شائع کرے۔ (طلوع اسلام)

ضرورت رشتہ

پاکیزہ اخلاق' کشادہ نگاہ 23 سالہ خوبصورت بچی کیلئے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے۔ بچی نے ایم۔اے انگلش (پنجاب یونیورسٹی) فائنل کا امتحان دیا ہوا ہے۔ خواہش مند احباب سے گذارش ہے کہ وہ اس پتہ پر بذریعہ خط رابطہ کریں:

S0205 معرفت ادارہ طلوع اسلام 25 مئی گلبرگ 2 لاہور۔

نیک سیرت' پاکیزہ اخلاق بیٹی کیلئے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے۔ بچی کی تعلیم بی۔اے۔سی۔ٹی اور عمر 27 سال ہے۔ خواہش مند حضرات سے گذارش ہے کہ وہ درج ذیل پتہ پر رابطہ فرمائیں:

عبدالرحمٰن طارق' ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ پرائمری سکول ہمبو کے۔
ڈاکخانہ ہمبو کے براستہ سمبڑیال' تحصیل و ضلع سیالکوٹ 0432
فون نمبر 584336

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاطف طفیل

جب تک زندگی ہے' زندہ رہئے

قرآنِ حکیم نے زندگی اور عمر میں فرق کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی کا مفہوم ہے کہ اس رسولؐ کی دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں زندگی کی طرف بلاتا ہے۔ رسولِ خدا کے مخاطبین نظر بظاہر زندہ لوگ تھے لیکن زندوں کا خدا انہیں زندگی حاصل کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ غور و فکر کے نتیجے میں یہ منکشف ہوتا ہے کہ زندگی سانس کے آنے اور جانے کا میکانکی عمل نہیں ہے۔ زندگی "چیزے دیگر" ہے۔

زندہ' انسان اس صورت میں ہوتا ہے جب اس کی روح ارتقا پذیر ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کو زندہ کیسے رکھا جائے تاکہ جیتے جی اپنے اوپر مردہ ہونے کا گمان نہ گزرے۔ حضرتِ انسان کے سامنے اپنے سے ماوراء کوئی ارفع و اعلیٰ مقصد نہ ہو تو اس کی روح فرسودگی کا شکار ہو کر مر جاتی ہے اور اپنے پیچھے چلتی پھرتی لاش چھوڑ جاتی ہے۔ جب تک ہمارے اندر اپنی اقدار' اسکیموں اور دلچسپیوں کے لیے جینے کا ولولہ موجود ہے' ہماری روح توانائی حاصل کرتی رہتی ہے اور ارتقاء کے سفر پر گامزن رہتی ہے۔ ابنِ آدم اس لمحے فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے جب اسے زندگی کے بے شمار امکانات نظر آنا بند ہو جائیں اور وہ اپنے آپ کو بند گلی میں جامد و ساکن کھڑا ہوا پائے۔

ہم میں سے کسی کی زندگی بھی محرومیوں اور ناخوشگواریوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ البتہ ہم اپنے انسان ہونے کا ثبوت قنوطیت کے اندھیروں میں یقین کا چراغ روشن کر کے ہی دے سکتے ہیں۔ ہمیں حقیقی معنوں میں زندہ رہنے کے لیے دو کام کرنے ہوں گے۔ اول یہ کہ ہم اس سب کو نگاہ میں رکھیں جو ہماری زندگی میں اچھا ہے اور دوم یہ کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا رہنے کی بجائے خود پیش قدمی کریں۔

ہمیں ہر روز تنہائی میں آنکھیں موند کر اپنے آپ سے دو سوال پوچھنے چاہئیں۔ اول یہ کہ میری زندگی میں پسندیدہ کیا ہے؟ اور دوم یہ کہ میں ناپسندیدہ کو پسِ پشت ڈال کر پسندیدہ کیسے حاصل کر سکتا ہوں؟ اول سوال کا جواب ہماری توجہ زندگی کے روشن پہلوؤں پر مرتکز رکھے گا اور دوسرا سوال ہمارا رخ مثبت کرے گا اور ہمیں یاد دلاتا رہے گا کہ ہم خود اپنی خوشیوں اور فلاح کے ذمہ دار ہیں۔

اپنی روح کو زندہ رکھنے کے لیے ہمیں وہ کام بے خوف ہو کر کرنے چاہئیں جو ہمارے اندر جان ڈالتے ہیں۔ ہمیں اگر اپنی زندگی جینے کے لائق بنانی ہے تو پھر ہمیں اپنی باگیں خود تھامنا ہونگی۔ دوسروں کو اور حالات کو موردِ الزام ٹھہرانے کی سعی لاحاصل ترک کرنا ہو گی کیونکہ جب بھی ہم دوسروں کو اپنی بربادی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو درحقیقت اپنے بااختیار و بارادہ انسان ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن حکیم کی رو سے انسان کا سب سے بڑا شرف' اختیار و ارادہ کا حامل ہونا ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہوا کہ ہمیں اگر اپنی زندگی کو مسرت انگیز بنانا ہے تو ہمیں اپنا بیڑہ خود اٹھانا ہو گا۔ کوئی دوسرا ہمیں ہمارے خوابوں کی جنت میں نہیں لے جا سکتا۔ ہمیں خود ہی اپنے انتخابات (Choices) سے اپنے لیے جنت بنانی ہو گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پرویز میموریل لیکچر

قرآن حکیم کے مطابق انسان کا سب سے بڑا شرف اس کا اختیار وارادہ ہے۔ البتہ انسان بالعموم حالات سے مجبور ہو کر اپنے اختیار وارادہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ ارشاد خداوندی ہے کہ انسان مجبور نہیں' صاحب اختیار پیدا کیا گیا ہے۔ پس ہم نے اگر مقام انسانیت پر جلوہ افروز رہنا ہے تو پھر ہمیں اپنے آپ سے درج ذیل ناگزیر سوالات یقیناً پوچھنے ہونگے:

(1) **کیا آپ** اپنے ذہن پر قابو رکھتے ہیں؟
(2) **کیا آپ** اپنے احساسات پر اختیار رکھتے ہیں؟
(3) **کیا آپ** خارجی محرکات کی بجائے داخلی کیفیات سے متاثر ہوتے ہیں؟
(4) **کیا آپ** حالات کے زنداں میں مقید ہیں؟
(5) **کیا آپ** اپنے افعال کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے شکوہ و شکایت سے گریز کرتے ہیں؟
(6) **کیا آپ** نے دوسروں پر انحصار کرنے کی عادت سے نجات حاصل کر لی ہے؟
(7) **کیا آپ** اپنے حالات کو بہتر بنانے کے لئے کسی مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں؟
(8) **کیا آپ** اپنی قدر کرتے ہیں؟
(9) **کیا آپ** نے آپ پر نکتہ چینی کرنے کی عادت سے چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں؟
(10) **کیا آپ** اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار ہیں؟

اپنی زندگی کے جہاز کے کپتان بن کر آپ زندگی کے کسی موڑ پر مندرجہ بالا تمام سوالات کا جواب "ہاں" میں دے سکتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آیا آپ اپنے صاحب اختیار ہونے کا اقرار کرتے ہیں یا انکار۔

جناب عاطف طفیل 12 مارچ 2000ء بروز اتوار صبح 10 بجے ادارہ طلوع اسلام واقع 25 ٹی گلبرگ 2 لاہور میں

"اپنی باگیں تھامیئے"

کے موضوع پر ایک بصیرت افروز لیکچر دیں گے جس میں شرکت کے بعد آپ اپنی شخصیت کا تعین خارجی عوامل کی بجائے اپنے ذاتی و شعوری فیصلوں سے کرنے لگیں گے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

نوٹ: بزم طلوع اسلام لاہور ہر سال علامہ غلام احمد پرویز کی یاد میں ان کی برسی کے موقعہ پر ایک لیکچر کا اہتمام کیا کرے گی۔

منجانب: بزم طلوع اسلام لاہور
رابطہ: حسین قیصرانی
فون: 5753666-5764484

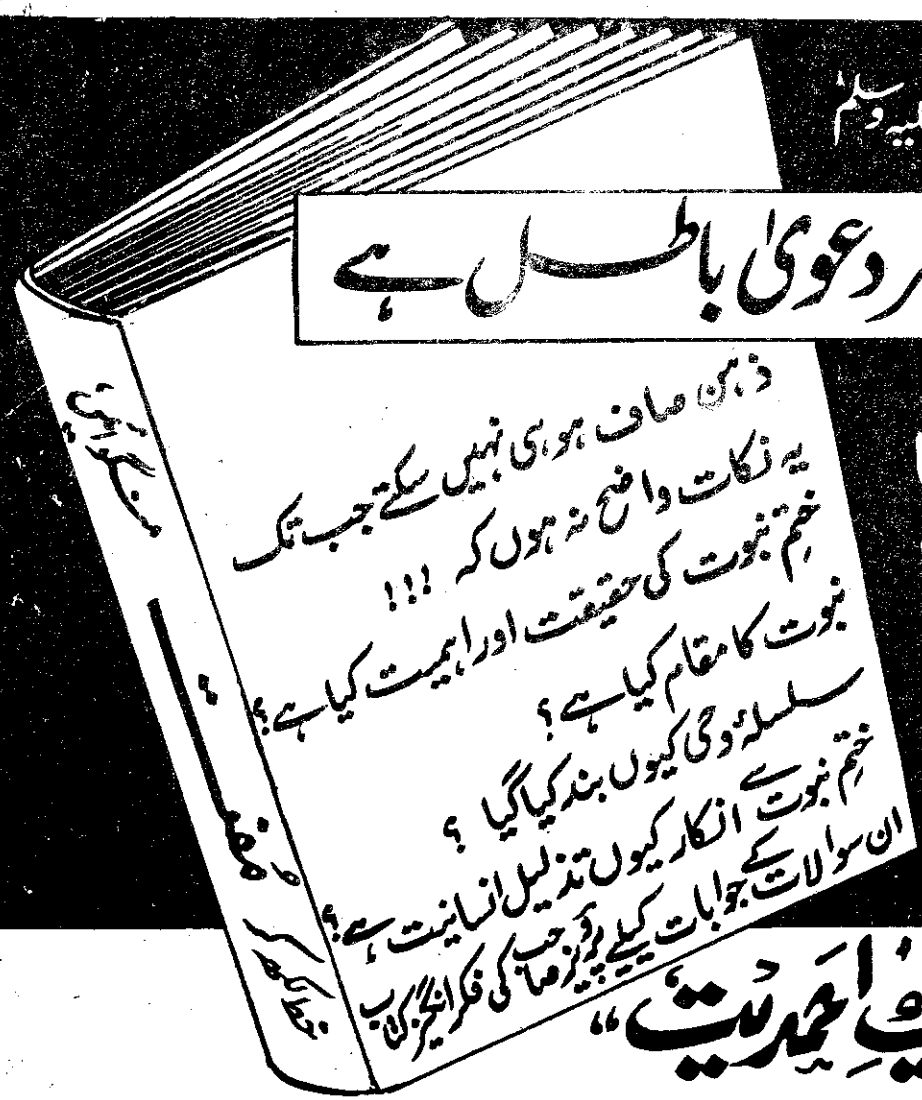

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا؟
ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب
خط لکھ کر مفت منگوائیں
"ختم نبوت اور تحریک احمدیت"
25-B گلبرگ II لاہور 54660 فون نمبر 042-5866617

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقبال ادریس

سلام و رحمت

کارکنان/احباب اور متفقین تحریک طلوع اسلام

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

طلوعِ اسلام، جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں، نہ کوئی سیاسی پارٹی ہے اور نہ ہی کوئی مذہبی فرقہ، کیونکہ پارٹی بازی اور فرقہ بندی قرآن کی رو سے شرکِ عظیم ہے۔ یہ خالصتاً ایک فکری تحریک ہے جس کی فکر کی اساس اللہ کی عظیم کتاب القرآن ہے۔ اس فکر کو عام کرنے میں جو کردار طلوعِ اسلام نے ادا کیا ہے اور جن خطوط پر اس کو آگے بڑھایا ہے اس کی مثال عصرِ حاضر کی کوئی تنظیم پیش نہیں کر سکتی۔ طلوعِ اسلام کی "Dynamic" مقبولیت دیکھ کر مذہبی پیشوائیت بوکھلا اٹھی، اور جب اس نے دیکھا کہ طلوعِ اسلام کی فکرِ خالص کی تاب نہ لا کر اس کے مینارِ بابل کی بنیادیں ہلنے لگی ہیں تو اس نے اپنے ترکش سے آخری تیر نکالا اور طلوعِ اسلام کے خلاف فتاویٰ کفر و الحاد کی سِلوں سے تعمیر کردہ فصیل کی اوٹ میں جا بیٹھی۔ لیکن طلوعِ اسلام کا قافلہ شمعِ قرآنی کی روشنی میں منزل کی طرف بے خطر آگے ہی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

رواں دواں ہی رہا کاروانِ صدق و وفا
اگرچہ راہ میں سنگِ گراں بھی آئے ہیں

رفیقانِ محترم! طلوعِ اسلام نے یہ سب کچھ اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے جس کے لئے وہ کسی معاوضہ کا طلبگار نہیں۔ اتباعِ اسوۂ نبی اکرم ﷺ میں وہ:

مَآ اَسْـَٔلُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ (34:47)۔

میں اس سعی و کاوش اور بیداریٔ شب کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ اس تپش و گداز اور تگ و تاز کا ماحصل تو پوری انسانیت کے لئے ہے۔

صلۂ شہید کیا ہے، تب و تابِ جاودانہ

عزیزانِ مکرم! زندگی ایک جوئے رواں ہے۔ جو مسلسل آگے بڑھتی ہے۔ جو ایک جگہ رک گیا۔ جحیم میں آگیا۔ آپ جس تحریک سے قلبی طور پر منسلک ہیں۔ اس کے تقاضے شدید ہیں۔ پیہم و مسلسل جدوجہد ہے۔ زندگی بے مقصد ہو تو، میر درد نے اس کا صحیح نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یوں تمام ہوتی ہے

لیکن جب زندگی میں کوئی بلند مقصد ہو، تو پھر ہر صبح، صبحِ عید اور ہر شب، شبِ بارات۔

آپ نے اپنے کندھوں پر جو گراں بوجھ اٹھا رکھا ہے۔ اب اس کے تقاضے بھی شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے ہیں، آپ نے مخالفتوں اور کفر و الحاد کے فتاووں کے جمِ غفیر میں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام بنی نوعِ انسان تک نہایت احسن اور حسن کارانہ انداز سے پہنچانا ہے۔ ہمیں علم ہے کہ آپ کا واسطہ ان لوگوں سے ہے جو دلیل و برہان کا جواب گالیوں سے دیتے ہیں (اور یہ شکست خوردگی کا ایک انداز ہے۔) لیکن آپ کبھی ان کی سطح پہ نہ اتر آیئے۔ جب کسی جاہل اور ہٹ دھرم آدمی سے واسطہ پڑے تو قرآن کی زبان میں:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (25:63)۔

"یعنی جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلٰماً" کہہ دیتے ہیں۔"

آپ ان سے الجھئے مت کہ بد زبانی کی اصلاح بدزبانی سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اور حسن کارانہ انداز سے قرآن کا ابدی پیغام عام کرنے میں شدت اختیار کیجئے۔

عزیزانِ گرامی! معذرت خواہانہ رویہ ترک کیجئے۔ دنیا جانتی ہے کہ طلوعِ اسلام کا مقصد کیا ہے (جو طلوعِ اسلام کے صفحات پر بارہا شائع ہو چکا ہے اور اب بھی سرورق پر چھپا ہے) لیکن جو لوگ ہٹ دھرم ہیں۔ جھوٹ جن کے ایمان کا حصہ ہے۔

...تے رکھنا کہ وہ زندگی کے کسی شعبہ میں سچ کا سہارا ...وب و خیال ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سر کی ...ں کی آنکھ بند ہے۔ قلوب پر قفل پڑے ہوئے ...ن کا مسلک یہ ہے کہ:-

سکون میسر ہے ظلمتِ شب میں
...ے سامنے نورِ سحر کا ذکر نہ کر

...انقلاب آپ لانا چاہتے ہیں۔ جس میں انسان کے غلط ...ت' نظریات' تصورات' اعمال و افکار کو صحیح نظریات سے ...ور انسانی سیرت و کردار کے ہر گوشے کو ایک جدید قالب ...ھالنا مطلوب ہو اس کے لئے کس قدر سکون و ثبات کے ...ے صبر آزما مراحل میں سے گزرنا ہو گا۔ ان صبر آزما مراحل سے گھبرایئے نہیں بلکہ استقامت اور صبر و تحمل سے اپنے پروگرام کو آگے بڑھاتے جایئے۔ تھک کر' رک گئے تو پیچھے سے آنے والے آپ کو روندتے ہوئے گذر جائیں گے۔ بس حرکت میں رہیے۔ نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیجئے۔ اگر آپ مخلص ہیں' سچے ہیں اور یوم آخرت پر ایمان غیر متزلزل ہے۔ یعنی اس حقیقت پر کامل یقین کہ انسان کا کوئی عمل حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والے خیالات تک بھی اپنا نتیجہ پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور ان نتائج کا خمیازہ ہر انسان کو بھگتنا ہو گا خواہ اس کی زندگی میں سامنے آجائے اور خواہ مرنے کے بعد۔ تو یقیناً قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے بہترین نتائج ظہور پذیر ہونے سے معاشرہ جنت بداماں ہو جائیگا۔

محترمین! تحریکِ طلوعِ اسلام ہنگاموں پر یقین نہیں رکھتی۔ نہ اس نے کبھی کسی ہنگامہ میں حصہ لیا۔ اس نے قوم کو سوچنا سکھایا۔۔۔۔ اور قرآنِ کریم کی روشنی میں سوچنا سکھایا۔

اسی سوچ کو قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے قلب و دماغ میں داخل کر دیجئے' یہ ایمان جب ان کے قلوب میں داخل ہو گا۔۔۔ تو قانون کی اطاعت' یا مستقل اقدار کی پابندی' نہ پولیس کے ڈر سے کی جائیگی' نہ قید و بند کے خوف سے۔ یہ چیز' ان نوجوانوں کے دل کی آواز اور زندگی کا تقاضا بن جائیگی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ جسے اسلامی نظام کہتے ہیں وہ اس وقت قائم ہو گا جب کیفیت یہ ہو کہ یہ لوگ (اے رسولؐ!) اپنے ہر نزاعی معاملہ کے تصفیہ کے لیے تیری طرف رجوع کریں۔ یعنی قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں' بلکہ ہر معاملہ میں فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کی طرف رجوع کریں۔ اور اس کے بعد

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا "(4:65)-

اور پھر جو فیصلہ تو دے' اس کے سامنے اس طرح سرِتسلیم خم کریں کہ ان کے دل کی گہرائیوں میں بھی اس کے خلاف کوئی گرانی محسوس نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ قلب و نگاہ میں ایسی تبدیلی' ہنگامہ خیزیوں اور زور آزمائیوں سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ صرف فکری تحریک سے پیدا ہو سکتی ہے۔ تحریکِ طلوعِ اسلام کا بنیادی نقطۂ ماسکہ ہی یہ ہے کہ نونہالانِ ملت کی تعلیم و تربیت قرآنی خطوط پر کی جائے جس سے ان کی کیفیت یہ ہو جائے کہ مستقل اقدارِ خداوندی کی پابندی ان کی زندگی کا داخلی تقاضا بن جائے اور اس کے خلاف ان کے دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ ہو۔ تحریکِ طلوعِ اسلام پاکستان کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے ہوئے اپنی زندگی کے 53 سال پورے کر رہی ہے۔ (اگر تقسیم سے قبل کے سال شامل نہ کیے جائیں تو) اور پورے کامل سکوت و ثبات سے اس طرح آگے بڑھتے چلی جا رہی ہے جس طرح طلوعِ ماہتاب کے ساتھ چاندنی کی حسین چادر' نہایت خاموشی سے' فرشِ صحرا پر بچھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہے۔

سجدۂ شکرانہ بدرگاہِ ربّ العزت کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ ہم اس کے آخری پیغام قرآنِ مجید کی منزہ تعلیمات دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! نہ مغرب کا فلسفہ ہمارا علاج ہے اور نہ مشرق کی افسانوی دنیا ہماری پناہ گاہ۔ دنیا میں اگر اپنا مقام حاصل کرنا ہے تو اسی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ-

اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر وہ معاشرہ' وہ نظام قائم کرنا ہو گا کہ دنیا اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے۔۔

مشرق سے ہو بیزار' نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از پروفیسر رفیع اللہ شہاب

حقائق و عبر

1- فیملی پلاننگ کے بارے خود ساختہ احادیث :-

جماعت اہل حدیث کا ترجمان ہفت روزہ "اہلحدیث" اپنی 4 فروری 2000ء کی اشاعت میں فیملی پلاننگ یعنی خاندانی منصوبہ بندی کو خلافِ اسلام قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے :

"ایسے پراجیکٹ ہر مسلم ملک میں چل رہے ہیں۔ آیات کے معنی بدلے جا رہے ہیں' خود ساختہ احادیث اور اقوال صحابہ کرامؓ کو فیملی پلاننگ کے حق میں دیا جا رہا ہے مثلاً"

(i) سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 31 سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ "اپنے خاندان کو اپنے وسائل سے ہم آہنگ رکھیں" حالانکہ یہ آیت خاندانی منصوبہ بندی کی جڑ کاٹتی ہے اور اس میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ سورہ التوبہ کی آیت نمبر 25 جو جنگ حنین کے بارے میں ہے اور جس میں فتح کے لئے کثرت تعداد کے بجائے اللہ پر بھروسہ رکھنے کا کہا گیا ہے کو "کثرت آبادی" کے خلاف استعمال کیا گیا۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر 286 کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص کے ایک خطبہ میں بھی ایک عبارت "تو بچو کثرت اولاد سے" شامل کر کے اشتہار شائع کئے گئے۔ مثلاً اگر کسی مفتی نے فتویٰ دیا کہ "اگر عورت کی جان کو خطرہ ہو تو وہ ضبط ولادت کر سکتی ہے" اس میں سے "اگر عورت کی جان کو خطرہ ہو تو" نکال دیا گیا اور لکھ دیا کہ فلاں مفتی نے کہا ہے کہ عورت ضبط ولادت کر سکتی ہے۔ یعنی ہر جعل سازی اپنائی گئی ہے۔" (صفحات 16'17)

خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کے بارے میں پوری ایک درجن احادیث ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے دادا نے ان تمام احادیث کو اپنی مشہور کتاب منتقی الاخبار میں جمع کر دیا تھا' امام شوکانی نے ان تمام احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد ششم صفحہ 210) یہی نہیں بلکہ خود امام ابن تیمیہ نے انہیں صحیح تسلیم کیا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ چاروں مشہور فقہی مذاہب کے بانیوں یعنی امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے انہیں صحیح تسلیم کرتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو مختصر الفتاویٰ المصریہ صفحہ 431 ایڈیشن 1949ء)

صرف یہی نہیں بلکہ امام ابن قیم جنہیں فرقہ اہل حدیث امام ابو حنیفہ سے بھی بڑا درجہ دیتے ہیں' سیرت النبیؐ پر اپنی مشہور کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" کی چوتھی جلد میں اس عنوان سے فصل قائم کرتے ہیں "عزل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم"۔ پھر اس میں وہ تمام احادیث جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے بیان کر دی ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان احادیث سے عزل یعنی ضبط ولادت کی واضح اجازت ملتی ہے اور یہ اجازت دس جلیل القدر صحابہؓ سے منقول ہے' جن میں حضرت علیؓ' حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت ابو ایوب' حضرت زید بن ثابت' حضرت جابر' حضرت ابن عباس' حضرت حسن بن علیؓ' حضرت جناب بن الارث' حضرت ابو سعید الخدری اور حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم کے نام نامی شامل ہیں۔ (زاد المعاد جلد چہارم ص 16)

اہل حدیث علماء نے جو حضرت [illegible]

گول مول کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی بددیانتی کا پردہ چاک کرنے کیلئے ان کے اس خطبے کا مکمل ترجمہ دیا جاتا ہے۔

"اے لوگو! چار عادتوں سے بچو' کیونکہ یہ آرام کے بعد تکلیف کی طرف لے جاتی ہیں' اور فراخی رزق کے بعد موجب تنگی ہوتی ہیں اور عزت والے کو ذلیل کرتی ہیں' تم کثرتِ عیال سے بچو' گھٹیا معیارِ زندگی سے بچو' مال و دولت ضائع نہ کرو اور فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔" (فتوح مصر تالیف ابن عبدالحکیم صفحہ 139 اور ابن تغری بردی کی کتاب النجوم الزاھرۃ فی اخبار مصر القاھرۃ جلد اول صفحہ 72)

دیکھئے اپنے آپ کو حدیث کا علمبردار کہنے والے کس طرح صحیح احادیث کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ جب اس فرقہ کے سرکردہ علماء کی جہالت کا یہ حال ہے کہ اپنے ائمہ کی صحیح قرار دی ہوئی احادیث کی یہ درگت بنا رہے ہیں تو اس فرقے کے چھوٹے موٹے مولویوں کی جہالت کا کیا عالم ہو گا۔ خیال رہے کہ پرویز صاحب اپنے اصول کہ جو احادیث قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق ہوں وہ صحیح تسلیم کرتے تھے' وہ ان احادیث کو بھی صحیح تسلیم کرتے تھے۔ لیکن انہیں منکرِ حدیث قرار دینے والوں نے ان صحیح احادیث کا جو حشر کیا ہے اس کی ایک معمولی سی جھلک اوپر پیش کی گئی ہے۔

2- فوجی حکومت کے بارے میں فرقہ اہل حدیث کی ہرزہ سرائی:-

جماعت اہلِ حدیث کے امیر پروفیسر ساجد میر صاحب نے جدہ (سعودی عرب) میں نوائے وقت کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

"سابق وزیراعظم نواز شریف سی ٹی بی ٹی' کشمیر' اسامہ بن لادن وغیرہ کے معاملات پر امریکی معیار پر پورے نہیں اتر رہے تھے جس کی انہیں سزا دی گئی۔ پروفیسر ساجد میر جو یہاں سعودی وزارتِ مذہبی امور کے مہمان ہیں' عمرہ کی ادائیگی کے بعد نوائے وقت سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ملک میں کوئی قانون نہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا جنگل کا قانون ہے تو پروفیسر ساجد میر نے کہا کہ جنگل میں کوئی قانون ہوتا ہے اس وقت پاکستان میں وہ بھی نہیں۔" (ہفت روزہ اہلحدیث بابت 29 جنوری 2000ء ص 22)

جماعت اہل حدیث کے امیر صاحب ملک کی واحد شخصیت ہیں جو حکومت کی موجودہ تبدیلی کو امریکی سازش قرار دے رہی ہے اور جبکہ سارے اہلِ ملک' موجودہ حکومت نے جو تھوڑے بہت کام کئے ہیں' ان کی تعریف کر رہے ہیں جبکہ امیر موصوف اسے جنگل کی حکومت سے بھی بدتر قرار دے رہے ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیچارے حقِ نمک ادا کر رہے ہیں' فرقہ اہل حدیث کے ایک گروپ نے سابق وزیراعظم پر مشہور اہل حدیث عالمِ دین علامہ احسان الٰہی ظہیر اور نصف درجن دوسرے اہل حدیث علماء کے قتل کا الزام لگایا تھا' علامہ صاحب اپنے ہر جلسے میں جنرل ضیاء الحق کی مٹی پلید کرتے تھے' ان حضرات کا خیال تھا کہ ان کے اشارے پر انہیں قتل کیا گیا ہے۔ انہوں نے سابق وزیراعظم کے خلاف ایف' آئی' آر درج کرانے کی بھی کوشش کی لیکن ان کے اثر کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ پھر فرقہ اہل حدیث میں پھوٹ ڈالنے کیلئے جناب ساجد میر صاحب کو سینیٹر بنا دیا گیا جو اگر کسی انتخاب میں حصہ لیتے تو شائد انہیں آٹھ دس ووٹ بھی نہ ملتے۔

3- فرقہ اہل حدیث ہی صرف جنتی گروہ ہے:-

ہفت روزہ الاعتصام لاہور اپنی 28 جنوری کی اشاعت میں مختلف ائمہ حدیث کے حوالے سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث ہی جنتی گروہ ہے کیونکہ یہ تقلید نہیں کرتے۔ (صفحہ 7)- پھر اس مضمون میں اہل حدیث کے تقریباً" تیس امتیازی مسائل بیان کئے ہیں۔ جن کی بنا پر وہ جنت کے دعوے دار ہیں۔

یہ تمام مسائل نماز کی ادائیگی کی جزئیات کے بارے میں ہیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقے کا اسلام ان جزئیات میں اٹکا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کی بھلائی کیلئے جو

کچھ ارشاد فرمایا وہ ان کے اسلام سے خارج ہے' اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ چند سال پہلے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی نے راقم کو اپنے ایک سالانہ جلسے میں' ملکیت زمین پر تقریر کرنے کی دعوت دی۔ جب میں نے وہ احادیث پیش کیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے غیر حاضر زمینداری کو سود قرار دیا تھا تو ایک بہت بڑا اہل حدیث علامہ عبدالرحمٰن مدنی روپڑی جو ماڈل ٹاؤن میں ایک اہل حدیث یونیورسٹی کا وائس چانسلر تھا' اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا اور چیخا کہ یہ سب بکواس ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی شخص کی زبان سے احادیث کے بارے میں ایسے نازیبا الفاظ سنے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ایسی صحیح احادیث ہیں کہ جن کی زمانہ جدید کے ماہرین نے تصدیق کی ہے اور پرویز صاحب جنہیں منکر حدیث کہا جاتا ہے وہ ان احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

پرویز صاحب کا نام سنتے ہی روپڑی صاحب آگ بگولا ہو گئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے انہیں کہا کہ وہ دوسروں کی بات سننے کی اپنے آپ میں ہمت پیدا کریں۔ ان کی تقریر سنیں۔ بعد میں آپ کو وقت دیا جائیگا لیکن اپنی تقریر میں کوئی شرعی دلیل دیئے بغیر انہوں نے پھر اس بات پر اصرار کیا کہ یہ سب کچھ بکواس ہے۔

یہ ہے صحیح احادیث (کہ جن کی تائید زمانہ جدید کی علمی تحقیق سے ہوئی ہے) کے بارے میں فرقہ اہل حدیث کا طرز عمل۔ یہ معاملہ صرف علامہ مدنی تک محدود نہیں تمام اہل حدیث علماء ان سچی احادیث کو جھوٹا قرار دے کر غیر حاضر زمینداری کو جائز قرار دیتے ہیں۔ شاید حدیث کے ساتھ اس سلوک کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو جنت کا واحد حقدار قرار دیتے ہیں!

4- لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) :-

اس عنوان کے تحت پندرہ روزہ المنبر فیصل آباد نے اپنی 9 دسمبر 1999ء کی اشاعت میں ڈاکٹر احمد علی سراج کا مضمون ص 10 پر شائع کیا ہے۔ اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام حرم شریفین شیخ محمد بن عبداللہ السبیل نے پرویز صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جس میں لکھا ہے کہ حکومت کے ذمہ دار ان اور علماء پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم خطرہ سے آگاہ رہیں اور ان کی جملہ حرکات اور ممکنہ کاروائیوں پر پابندی لگائیں تاکہ ان کا زہر مسلمانوں میں نہ پھیل جائے"۔

مصنف موصوف نے اتنے اہم فتویٰ کا کوئی حوالہ نہیں دیا' ظاہر ہے کہ امام صاحب نے عربی میں فتویٰ دیا ہو گا اگر اس کا عکس شائع کر دیا جاتا جو کہ آج کل شائع کرنا بڑا آسان ہے تو ان کے الزام میں کوئی وزن ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب امام صاحب پر جھوٹا الزام لگا رہے ہیں۔

ان کی عربی دانی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ یہ لا نبی بعدی کے عنوان کے تحت مضمون لکھ رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لئے درود وہ استعمال کر رہے ہیں جس میں ختم نبوت کا انکار ہے اس سے بڑی جہالت کیا ہو گی۔ مقالہ نگار کا مفصل مضمون روزنامہ نوائے وقت میں نو قسطوں میں بھی شائع ہوا ہے' اس کا مناسب جواب طلوع اسلام میں دو قسطوں میں دیا جا چکا ہے۔ جنوری میں شائع ہونے والی قسط میں بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح عربی زبان سے جہالت کی وجہ سے وہ ایسا درود استعمال کرتے ہیں جو نہ صرف عربی گرامر کے مطابق غلط ہے بلکہ اس سے ختم نبوت کے عقیدے کا بھی انکار لازم آتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی جہالت کی بہت سی جھلکیاں بھی دکھائی گئی ہیں۔ اگر امام صاحب کے فتوے کا عکس شائع کیا جاتا تو جھوٹ سچ معلوم ہو جاتا اور اس پر تبصرہ کیا جا سکتا۔

پاکستان کے جن علماء کے تائیدی فتوے شائع کئے گئے ہیں ان کے مبلغ علم کی جھلک اصل مضمون میں دکھائی گئی ہے۔ ان علماء حضرات نے نہ صرف یہ کہ پرویز صاحب کے کفر کا فتویٰ دیا بلکہ اس سے بھی بڑا ان کا کارنامہ گھوڑ دوڑ پر جوئے کے جائز ہونے کا فتویٰ ہے۔ جس کی تفصیل' ان کے مفصل فتویٰ کی دوسری قسط میں دی گئی ہے اور جو انشاء اللہ اس نوٹ کے

طلوع اسلام میں شائع ہو گا۔

منبر کے مدیر کا مبلغ علم مضمون نگار سے بھی بدتر ہے۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے وہی درود استعمال کرتے ہیں جو عربی زبان کے مطابق بھی غلط ہے اور اس سے ختم نبوت کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ ان جاہل لوگوں کے فتویٰ کی کیا حیثیت ہو گی۔

5- ایک کروڑ پتی کا غریب مزدور کی محنت پر ڈاکہ :-

ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا صاحب ایک کروڑ پتی ڈاکٹر ہیں جن کی ہر ماہ لاکھوں کی آمدنی ہے۔ بقول ان کے' جس کا ایک کثیر حصہ اہل حدیث لٹریچر کی مفت تقسیم پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کے ایک ڈاکٹر بھائی امریکہ میں ہیں جو ان سے زیادہ خوشحال ہیں' ان بھائیوں نے بندہ سے حدیث کی ایک کتاب کا انگریزی ترجمہ کرایا بندہ نے چھ ماہ کی محنت سے یہ کام مکمل کیا جسے رندھاوا صاحب نے پسند کیا۔ ان کے اپنے الفاظ کے مطابق یہ ترجمہ کہانیوں کی طرح دلچسپ تھا۔ راقم نے بازار کے نرخ کے مطابق اس ترجمے کا بل بنا کر ان کی خدمت میں پیش کیا جس کی مالیت -/23,300 روپے تھی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے مشکل سے مجھے پانچ ہزار روپے دیئے اور باقی کے بارے میں آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔

راقم نے ان کے قریبی اہل حدیث عالم مولوی صلاح الدین یوسف جو ہفت روزہ الاعتصام کے ایڈیٹر تھے' کی خدمت میں تحریری درخواست پیش کر کے مدد کی درخواست کی۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر وہ مجھے میری مزدوری نہ دلوا سکیں تو کم از کم میری درخواست کو اپنے ہفت روزے میں شائع کر دیں۔ لیکن ان حضرات نے جو ہر وقت یہ حدیث نبوی پیش کرتے ہیں کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دی جائے۔ میری کوئی مدد نہ کی اور ابھی تک اس کروڑ پتی ڈاکٹر نے میرے بقیہ -/18,300 روپے ادا نہ کئے' میں اس رقم کو ان کے ذمے قرض سمجھتا ہوں' رسول اللہ ﷺ تو کسی ایسے صحابی کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس نے کسی کے ایک دو درہم دینے ہوتے تھے' اس ارشاد نبوی کے مطابق' اہل حدیث کے اس کروڑ پتی ڈاکٹر کا تو جنازہ بھی جائز نہیں۔ کیا اہل حدیث علماء ان احادیث نبوی کو تسلیم کرتے ہیں اور ان پر عمل کریں گے؟

6- قرآنی آیات میں تضاد اور تصادم :-

ہمارے نیم تعلیم یافتہ علماء کا یہ مسلک ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات ایک دوسرے کے خلاف ہونے کی وجہ سے منسوخ ہیں اس عقیدہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی آیات میں تضاد ہے اور وہ ایک دوسرے کی متصادم ہیں۔ قرآنی آیات کے منسوخ ہونے کا شوشہ آج سے بارہ سو سال پہلے چھوڑا گیا تھا۔ اس وقت کے ایک مشہور مفسر امام ابو مسلم اصفہانی نے ان کے اس شوشے کو قرآن کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے' دعویٰ کیا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ اوپر والے دونوں حضرات کی کتابیں تو صحیح سلامت موجود ہیں جبکہ امام ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر کو آئندہ نسلوں تک نہ پہنچنے دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل علم کے درمیان ابھی تک اس موضوع پر بحث جاری ہے۔ کوئی تو قرآن مجید کی پانچ صد آیات کو منسوخ بتاتا ہے اور کوئی صرف پانچ آیات کو۔ جبکہ امام ابو مسلم اصفہانی نے آج سے بارہ سو سال پہلے یہ ثابت کر دیا تھا کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ اپنے آپ کو روشن خیال عالم دین سمجھنے والے ایسے لوگ بھی موجود ہیں' جو قرآن مجید کی آیات کے منسوخ' لہٰذا ان میں تضاد کے قائل ہیں۔ جاوید غامدی صاحب سے ان کے ایک قاری نے جو سوال کیا اور اس کا انہوں نے جو جواب دیا وہ ان کے ماہنامہ اشراق کی فروری 2000ء کی اشاعت سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"سوال : کیا قرآن پاک میں بعض ایسی آیات بھی موجود ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں؟ اگر یہ بات درست ہے تو کیا یہ بات قرآن حکیم کو ساقط الاعتبار کر دینے کے لیے کافی نہیں؟ کیا

کوئی ایسی دستوری دستاویز بھی دنیا میں کہیں موجود ہے جس میں ایسی بات ہے؟ منسوخ آیات کو بیان کرنے میں کیا حکمت پنہاں ہے؟ کیا کسی آیت میں تبدیلی بھی کی گئی ہے؟ جیسا کہ بخاری شریف میں موجود حدیث سے پتا چلتا ہے؟

(محمد صفتین' راولپنڈی)

جواب : اس میں تو شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں منسوخ آیات موجود ہیں۔ مثلاً روزہ کے احکام میں ناسخ و منسوخ آیات ساتھ ساتھ درج ہیں۔ ان سے قرآن مجید ہرگز ساقط الاعتبار نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ آیات بھی موجود ہیں جن سے کوئی حکم منسوخ ہوا ہے۔ منسوخ آیات کو باقی رکھنے کی وجہ اس حکمت کو واضح کرنا ہے جو حکم کو تبدیل کرنے کا باعث بنی۔ اس سے ہم شریعت کے نفاذ میں تدریج کے اصول سے واقف ہوتے ہیں جو ایک ناگزیر ضرورت ہے۔"

قرآن مجید کو اس قسم کی سازشوں سے بچانے کیلئے راقم نے امام ابو مسلم اصفہانی کے اقوال تفسیر کبیر سے اکٹھے کر کے ان کا ترجمہ شائع کرا دیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ قرآن مجید کے خلاف جس سازش کو ہمارے روشن خیال علماء نے بارہ سو سال پہلے ختم کر دیا تھا۔ موجودہ دور کے علماے اس سازش کو پھر ہوا دے رہے ہیں۔ یہ حضرات اگر اپنے آپ کو اس سازش کا حصہ بنانے سے بچانا چاہیں تو وہ راقم کی کتاب "مجموعہ تفاسیر ابو مسلم اصفہانی" یا علامہ رحمت اللہ طارق کی کتاب "تفسیر منسوخ القرآن" کا مطالعہ کر سکتے ہیں' ان کی تسلی ہو جائیگی کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

-------O-------

7- بلا تبصرہ :-

نماز پڑھو پیشتر اس کے کہ....؟

"آخر مذہب کی یہ کون سی شکل ہے جو ہمارے ہاں پروان چڑھ رہی ہے جس میں عبادت مسجد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ جبکہ مسجد صرف سجدہ گاہ ہے' اس کے باہر ساری دنیا عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ کیا ہم نے کہیں یہ تو نہیں سمجھ لیا کہ خدا ہماری نماز' دعا اور روزہ کا محتاج ہے اور اسے ہمارے باقی سے کوئی سروکار نہیں؟ یا کہیں ہم رشوت لینے اور رشوت د کے اتنے عادی تو نہیں ہو گئے کہ خدا کو بھی (نعوذ باللہ) اپنی پر لانے کی کوشش کرنے لگے ہیں؟ یا کہیں ہمارا مجرم ضمیر اپ بچاؤ کیلئے مذہب کی بجائے مذہب کے شارٹ کٹ کی طرف نہیں لے جا رہا؟ دین اسلام تو نفس کی قربانی مانگتا ہے جو شاید سب سے مشکل کام ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

نماز صرف پڑھنے کی چیز نہیں' نماز "قائم" کرنے کیلئے ہے۔ مجھے علماء سے صرف یہ پوچھنا ہے کہ کیا امت نمازوں کی طرف جا رہی ہے یا اس کی سمت نماز "قائم" کرنے کی جانب ہے' مگر اس کا جواب بھی صرف وہی علماء دے سکتے ہیں۔ جو اس فرق کو صرف سمجھتے ہی نہیں' ان کی اپنی زندگیاں بھی اس فرق کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں!

میں نے شہر کے مختلف مقامات پر یہ تحریر جلی لفظوں میں درج دیکھی ہے "نماز پڑھو" پیشتر اس کے کہ تمہاری نماز پڑھی جائے۔ کیا اس تحریر میں "نماز پڑھو" کو "نماز قائم کرو" کے الفاظ کے ساتھ تبدیل نہیں کیا جا سکتا؟ تبدیل کیا جا سکتا ہے مگر اس پر عمل کے نتیجے میں جو تبدیلی واقع ہو گی وہ مذہب کے نام پر استحصالی اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے طبقوں کو راس نہیں آئے گی' چنانچہ "نماز پڑھو' پیشتر اس کے کہ تمہاری نماز پڑھی جائے" والا سلوگن ہی ٹھیک ہے' حالانکہ اگر خدانخواستہ ہماری نماز "پڑھی" گئی تو اس کا سبب نماز قائم کرنے کی بجائے صرف نمازیں پڑھنے پر اکتفا کرنے کا رویہ ہی بنے گا!"

(روزن دیوار سے از عطاالحق قاسمی' روزنامہ نوائے وقت لاہور 15 جنوری 2000ء)

-------O-------

8- بڑے میاں تو بڑے میاں' بیگم صاحبہ سبحان اللہ :-

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریک خلافت کے ترجما

ہفت روزہ ندائے خلافت کی 27 جنوری کی اشاعت کے آخری صفحہ پر ڈاکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ جو ان کے الفاظ میں یہ ہے:

"انہوں نے کہا کہ شہباز شریف اور شیخ رشید دونوں کے خفیہ نکاح جائز ہیں کیونکہ اس میں گواہ موجود تھے۔ صرف اعلان نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ شریعت چار نکاح کی اجازت دیتی ہے۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں کیونکہ یہ مرد کا شرعی حق ہے اور مجھے اس پر ہرگز اعتراض نہ ہو گا مگر عورت ہونے کے ناطے نفسیاتی طور پر مجھے تکلیف ضرور محسوس ہو گی۔"

ارشاد نبوی ہے کہ جب تک نکاح کا اعلان نہ ہو نکاح جائز نہیں' دوسرے تعدد ازواج کی کھلی اجازت نہیں' بلکہ پہلی بیوی کی اجازت سے' صرف بیوہ عورت سے دوسری شادی کی اجازت ہے۔ یہ پہلی بیوی پر منحصر ہے کہ وہ اجازت دیتی ہے یا نہیں۔ بخاری شریف میں حضرت مسرور بن مخرمہ سے روایت کردہ یہ حدیث موجود ہے کہ جب حضرت علیؓ نے دوسری شادی کرنی چاہی تو حضرت فاطمہؓ اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ پھر جو لوگ دوسری شادی کسی بیوہ کو سہارا دینے کی بجائے عیاشی کرنے کیلئے کنواری لڑکیوں سے رچاتے ہیں وہ قرآن مجید کے مطابق سخت گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لیکن بیگم صاحبہ ان دونوں اہم مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کی مخالفت میں فتوے جاری کر رہی ہیں اور ان کے عالم دین خاوند نے اس پر ان کی گرفت نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے تک ڈاکٹر صاحب سے راقم کے خوشگوار تعلقات تھے۔ چنانچہ انہوں نے بندہ کو اپنے بیٹے کی شادی کے ولیمے کی دعوت میں بلایا تھا۔ بندہ نے بے تکلفی میں کہا کہ موسیقی وغیرہ کا انتظام نہیں کیا گیا کیونکہ اس بارے میں ارشاد نبوی یہ ہے **اعلنوا النکاح و اضربوا علیہ بالدف** کہ نکاح کا اعلان کرو اور اس پر ہلکی سی موسیقی کا انتظام کرو۔ ڈاکٹر صاحب نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ انہوں نے اخبار میں اس شادی کا اعلان کر کے' اس شرط کو پورا کر دیا ہے۔ لیکن اب ان کی بیگم صاحبہ بغیر اعلان کے نکاح کو جائز قرار دے رہی ہیں۔

اطلاع

علامہ پرویزؒ کے آڈیو درس ہائے قرآن مجید CD پر بزمِ طلوعِ اسلام ڈنمارک کے رکن تجمل پرویز ڈار صاحب اور ان کے فرزند ارجمند نے سورہ انفال تک منتقل کر لئے ہیں۔

ممکن حد تک فالتو آواز کو ختم کیا گیا ہے لیکن پھر بھی جو آڈیو کیسٹ بہت زیادہ خراب حالت میں تھے وہ تسلی بخش نہیں۔

اگر کوئی صاحب یا بزم خریدنا چاہے تو فی CD (30 Dke) ادا کرنا ہو گا اور خرچہ ڈاک بذمہ خریدار ہو گا۔

Bazm-e-Tolu-e-Islam

Herninggade 8.st, th., 2100 Copenhagen Ø,

DENMARK.

Suggest a Website Name

AN OPEN COMPETITION FOR ALL

Bazm Tolu-e-Islam London plans to launch its first Internet website in Y2K. The Website has three objects:

1. To enable the bazm to store all of Allama G.A. Parwez's English books and other Quranic publications electronically. This will enable Tolu-e-Islam publications to be accessed over the net for virtually anywhere in the world.
2. To encourage the participation of young people from around world-wide in different bazm's to meet, exchange views and to form friendship.
3. To publish information about bazm's activities and other relevant Islamic literature.

London Bazm invites you to suggest a creative attractive name for the site that reflects the importance of this website.

THE CONTEST

All the contestants should submit the Website name by 31 March 2000 by post or by E-Mail to the following address.
The contestant should give his/her name, address, telephone number and Email address.

The winner will get a set of all English books by
Allama Parwez and Dr. Syed Abdul Wadud.

There will be a consolation prize for the runner-up too.

Bazm Tolu-e-Islam (London)
76-Park Road, Ilford Essex, IG1 ISF
Email: maqbool.farhat@virgin.net.uk

"In Islam relationship between God and a man is direct and simple. No priest. Imam, Pir or anybody else belonging to this or that category of people (dead or alive, in grave or out of grave) is required to intervene. We have no institution of professional priests ready to enforce their adamantine dogmas under the threat of their curse and God's displeasure, which they claim to control. The people possess within the limits prescribed by the Holy Quran, a complete liberty of thought and action. In Islam there is an atmosphere of intellectual and spiritual freedom... There cannot possibly be, in an Islamic State, anybody who can arrogate to himself sovereign power or royal prerogative ...... sovereignty belongs to Allah alone."

No wonder Iqbal declared that one prostration before Allah saves man from thousands of other humiliating ones.

****

For All Publications of Allama Parwez and recorded lectures on Quran

Please contact:

TOLU-E-ISLAM TRUST

25-B, Gulberg 2 Lahore-Pakistan.

Current Account No·
4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore

Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

it is to emphasise that Renaissance had taken place in various ages and places among varied people, and it is always triggered when Man harmonises with the laws of Nature. This is the Quranic philosophy or science of history-if Man, when or where, behaves in a particular manner, the results will always be the same. Here in lies the importance of history, for it is here that experience is verifiable. History is thus a human laboratory.

Talking about harmony with Nature or deviation form it, today the developed nations have made a tremendous headway in mastering the world of matter, or what may be described as perceptual knowledge, the world of the five senses. This unprecedented development in science and technology at times blurs are vision vis a vis the world of values and certain socio-political and economic institutions. The nation-state, based on geographical, racial and lingual identities, result of sheer accident of birth; fifty-one votes against forty-nine deciding what is right and wrong; the god of Mammon replacing the Creator, and the never ending race for wealth which falls into the bottomless pit; secularism dividing our lives and splitting us into two halves, public and private – all these are the miseries of modernity. And lets face it, the government that dropped atom bombs on Hiroshima and Nagasaki was a secular government; that in spite of great strides that woman has taken towards emancipation and creativity of which she can be justly proud, she still remains a sex symbol in a most degrading manner. No wonder the greatest scientist of the century, Albert Einstein, lamented that "the intellect has a sharp eye for methods and tools, but is blind to ends and values." Also, "Who can doubt," he says, "that Moses was a better leader of humanity than Machiavelli." (Out of later Years).

This takes us back to from where we started. Who is being attacked? Moses, Jesus and Muhammad (PBUH), or the priesthood? Mubarak Ali should clarify it. He has every right to disagree or reject the status of these great leaders as Anbiya, but at least as a historian and a scholar he should know the difference. A Nabi and a priest are antithesis of each other. You minus the priest form the picture and the answer to the query "Is Renaissance possible in an Islamic Society?" is clear. Islam is fortunate in that the Quran survives in its authentic form and as of yore, it can launch a worldwide Renaissance that can shake the world. It not only gives a scientific and rational approach towards discovery of laws of Nature, but also the values and guidelines for its utilization in the service of the whole human race as one human family.

In the end I would like to quote a few lines from the Judgment of Muhammad Shafi (PLD 1960 w.p. Lahore 142).

on this guarantee and trustworthiness that a scientist carries on his discoveries. He discovers laws, he does not make them. Even a slight and minutest deviation from it means destruction. So is the case with human lives. The fundamental principles and laws remain unchangeable, the details of implementation change with time. It is a combination of change in changelessness, a clean, flowing stream or river that does not overflow its banks. Overflow would mean flood and chaos. But this flood and chaos suits the vested interests. so there is a counter attack. Since the Nabi was too great and lovable a character among the people, the subversion and distortion was accomplished in his name. Their personalities, their histories their sayings were all written in a way that would support and maintain their vested interests. This is where the Hammans of all times play their anti-people role, the role of "thought control" so that the Pharoahs and Caesars of all times can exercise their "economic" and "political" control. Humanistic institutions and systems that were projected were ritualized into meaninglessness, and words and terms were twisted and given new meanings, which were a total deviation from the language itself. It was all very cleverly done and we have to admit that the vested interests are triumphant. To go into its details is a subject by itself and should be tackled separately. but I cannot help saying that through the centuries, apart from some genuine agnostics and atheists, the intellectuals have failed humanity. They should never have allowed the rabbi the priests and the maulanas to help the old system to stage a come back.

After Muhammad (PBUH), the last Nabi, man was considered to be mature enough to develop on his own within the boundaries of the laws of Nature, finally enshrined in the Quran. The Renaissance in Europe was nothing new as far as the scientific spirit, rationalism and the dynaminism of the mind is concerned, except that it was without a Nabi. A lot that was said and written then was in the atmosphere, taught and repeated by the Anbiya through the ages, worldwide. The modern man caught or got infected as it were, by those ideas, concepts values and attitudes. It is the Renaissance spirit that delves into research in all spheres, and study of Greek and Roman civilizations was bound to come up. The Arabs had moved in a similar way and it is because of them that Greek contributions were collected and preserved and passed on to the future generations. It was no mean achievement to have established translation bureaus to render into Arabic works of Greek, Persian and Sanskrit scholars. Mubarak Ali may not admit this, but Robert Briffault in his "Making of Humanity" does. He says that to write about Europe without mentioning Muslims is to write about Denmark without mentioning Prince Hamlet. Again this is not to glorify Muslims alone

What I am trying to get at is that when we lash out at (be it Judaism, Christianity, Islam or Hinduism) "religion" we are actually targeting the mediaeval Rabbi of the synagogs; the monolithic Roman Catholic Church of the Dark Ages and its priestly hierarchy; self-styled ulemas and Maulanas in the Muslim society and Brahmanism with its iron control over the caste – ridden Hindu victims. The rule and diktat of these priests is equated with Divinity described as "theocracy", a Greek term for rule of God. As M.Scott Peck in his "The Road Less Traveled", puts it: "There is clearly a lot of dirty bath water surrounding the reality of God. Holy wars. Inquisition. Animal sacrifice. Human sacrifice. Superstition. Stultification. Dogmatism. Ignorance. Hypocrisy. Self-righteousness. Rigidity. Cruelty. Book – burning. Witch – burning. Inhibition. Fear. Conformity. Morbid guilt. Insanity. The list is almost endless. But is all this what God has done to humans or what humans have done to God?"

Yes! It is in the name of God that the "divines" do not let us breathe freely by throwing us into the stagnant pool; they have smothered humanity in all times and climes; their very existence is a perversion and distortion of what they claim is their origin. And what is this origin and what is its role in history? The origins are the very individuals who confused Eqbal Ahmed, the great scholar and the simple bank employee referred to above. As a historian himself, Mubarak Ali could have given thought to Abraham who challenged Nimrod and the High Priest of the Temple, and his own father who sculptured the statues of the man-made gods. Then there was Moses who challenged Pharoah and Hamaan, his high priest, whom he also defeated in a public debate. There was Jesus who challenged Caesar, whose title, even today, symbolizes power and grandeur and lived on in history in its Persianised form, "Khusroe" and Russian form, the "Czar." Finally, it was Muhammad (PBUH) who challenged the Sass-aman Khusroes and the Byzantine Emperors. I often wonder how many of us, including Mubarak Ali, could challenge President Clinton or any other power in a similar manner who is manipulating the global games in the name of the new world order.

The fact is that these Anbiya (recipients of Divine Message) mentioned above and many, many more known and unknown, who appeared in every part of the globe, were Renaissance men. They uprooted the status quo, which meant that every aspect of vested interests in whatever form they existed was overthrown. The purpose was liberation of Man, which is only possible when Man lives in harmony with the laws of Nature, be they governing the world of matter or human lives. Man can never be free as long as man rules over man, as long as he makes the fundamental laws, call it autocracy, aristocracy or democracy. Laws of Nature are unchangeable. It is

IS RENAISSANCE POSSIBLE IN AN ISLAMIC SOCIETY?

By:

Ms. Shamim Anwar

****

The "DAWN" issue of October 16, 1999, carried an article captioned "Is Renaissance possible in an Islamic Society"? By Mubarak Ali in its weekly feature "Encounter". I am sure the "DAWN" administration will agree and so will the readers that if freedom of speech allows Mubarak Ali to question a very fundamental premise, so do others have the freedom to challenge his query. So here we go.

"Is Renaissance possible in an Islamic Society?" according to Mubarak Ali is a query that boils down to the eternal issue of "church and state", "religiosity and secularism", "theocracy and freedom." In this context I am reminded of two occasions, which were very revealing. One was a lecture by the great scholar and teacher, the late Dr. Eqbal Ahmed at the Falettis. The theme was to place the various regimes and phases in world history as stagnant and degenerate on the one hand and dynamic and living on the other: the former according to him were religious and the latter secular. He spoke passionately and with erudition as was his wont, but by the time he finished, I realized that he had made absolutely no reference to the Nabi Muhammad (PBUH) or to his immediate successors. When he concluded I immediately pointed this out. Evasively he remarked that "He (Muhammad) was the centre of all things." Naturally, I was disappointed, and so were a friend or two who later shared their disappointment with me for not getting a direct explanation and a proper answer. The other occasion was a young officer in a bank. During the usual financial transaction of depositing and withdrawing money I critically commented on the recent taxes imposed by the former Nawaz Sharif government. He immediately agreed with me and added that it was all the result of mixing religion and state. I purposefully remarked to the effect that individuals like Moses, Jesus and Muhammad (PBUH) had inflicted this misery on us. How do we get out of it? Instead of happily agreeing, he was stunned and confused and made absolutely no comment Of course I was not surprised.

prevails in violation of the requirement of *al-Adl wal-Ahsan* even though *Zakat* is the *only* form of taxation there and *riba* has been abolished. In capital-scarce and poor societies, where economic exploitation is rife, such tendencies will be still greater: the profit-sharing system (replacing *riba)* may lead to a gross exploitation of the poor by the rich, and the $2^{1/2}$ per cent *Zakat* tax will prove to be insufficient to end economic injustice in the society. What is worse, nothing can be done about this state of affairs to the extent that the failure to end exploitation *results* from the reforms introduced in the name of Islam. One must never confuse ends with the means!

Another important point which has a direct bearing on the choice of an appropriate Islamic policy package is that specific elements of the package cannot be rejected just because they bear superficial *resemblance* to the policies pursued in non-Islamic economic systems. For instance, if Islam's emphasis on Man's (limited) economic freedom translates into a definite, though limited, role for private enterprise, then this is *not* Capitalism. By the same token if Islam's commitment to *al-Adl wal-Ahsan* requires far-reaching land reforms and the nationalisation of banks and public-goods industries, then such recommendations cannot be rejected simply because they smack of communistic collectivizing philosophy. These are just two examples of a general principle that formal similarities among some of the elements of different economic systems will always exist, because all economic systems directly or indirectly grapple with the problems of scarcity, want and poverty. However, these similarities do not deprive any economic system of its 'originality' or its distinctive character. The important thing is that, in each economic system, policy instruments should bear a direct relationship to *its* basic policy objectives and that the former should logically follow from the latter.

SUMMARY: The discussion so far of the principal considerations governing the choice of a policy package to *initiate* the Islamisation process can be summarized into five broad 'rules':

(i) The Islamic policy package must *minimize* the element of *zulm—i.e.* the lack of *al-Adl wal-Ahsan*—in the existing economic systems.

(ii) It must also move the society towards an Islamic system characterized by *al-Adl wal-Ahsan.*

(iii) The elements of the Islamic reform must be looked at in relation to its "totality"—i.e. the 'fact' that Islam's is a complete socio-economic system.

(iv) Specific elements of the Islamic reform—e.g. land reforms, nationalization, etc.—should not be rejected just because they bear a superficial resemblance to other economic systems.

(v) The pace of the Islamisation process must be slow enough to allow the *existing* economic system to change on a broad front and to maximize the flow of knowledge about how the Islamic-system operates in practice.

(To be concluded)

THE CHOICE OF AN APROPRIATE POLICY PACKAGE: The choice of an appropriate policy package aiming at the Islamic Ideal must be governed by a clear realization of the fact that its *Immediate* "point of contact" will be the existing economic system. Hence, the success or otherwise of the Islamic Reform in the short run—i.e. during the 'transition' from the existing to the Islamic economic system—will be judged by its capacity to handle the problems we face today—e.g. absolute and relative poverty, low literacy levels and high levels of open and disguised unemployment, etc. A satisfactory solution to these problems should also lead the society to the Islamic Ideal; for *al-Adl wal-Ahsan* cannot come about in a society plagued by these problems.

ESSENTIAL ASPECTS

For the Islamic reform to take effect, it will be essential to move towards the Islamic Ideal gradually, encompassing all or most of the essential aspects of the social and economic life. *In fact the requirement that the Islamic reform be carried out in its essential multi dimensionality will slow down considerably the pace of the Islamisation process,* for the experience at each stop of the implementation of the Islamic reform will have to be carefully analysed to permit a maximum of "feedback effect". It is only through a prolonged two-way interaction between the theory and the practice of Islamic economic philosophy that a systematic body of thought can emerge to provide reliable guidelines to the Muslim policy-makers.

What at present passes for the grandiose title of Islamic Economics is nothing more than a smattering of broad and vague ideas about the introduction of *Zakat* and the abolition of *riba*, giving the impression that Islamic Economics can be reduced to just these two elements. Such a claim is false because no complete economic system, such as Islam's, can be described merely in terms of one or two of its policy *instruments*. Furthermore, *even* if this could be done, the real meaning of these two important elements of the Islamic reform must be understood. It can easily be shown that the Islamic rejection of *riba* is, in fact, a rejection of the entire capitalistic system, which condones the exploitation of the poor by the rich to achieve high rates of economic growth. The institution of *Zakat* is really symptomatic of Islam's highly egalitarian economic philosophy. Now, to maintain that *riba* can fully account for capitalistic exploitation or that a mere $2^{1/2}$ per cent tax on wealth will be sufficient to solve the problem of want and poverty and to bridge the yawning gap between the rich and the poor is to betray gross ignorance of the nature and magnitude of these problems in the present-day societies.

In fact, there is a real danger that if the abolition of *riba* and the introduction of *Zakat* are over-emphasised as *initiators* of the process of Islamisation, setting a two or three-year time limit on their implementation, then policy=making will concentrate on just these two elements to the exclusion of all else. Attempts will be made to achieve these 'targets' by one means or another irrespective of their effects on the economy. And once they are achieved, it may give everybody a false sense of accomplishment, as if all that was needed to be done had been done! Nothing could be more dangerous. After all, don't we have countries where gross social injustice

particular, in financial transactions the observance of this principle is absolutely essential for an orderly society: "Give full measure and full weight, and wrong not people in respect of their goods" (al-Qur'an, 11:85). Furthermore, Man has been warned against concentration of wealth: "(let) it (i.e. wealth) become not a commodity between the rich among you" (al-Qur'an, 59:7). Thus if *al-Adl* prevails in the society, an equitable distribution of wealth will result—which is what social justice is all about.

(ii) UNIVERSAL EDUCATION: Universal education, particularly at the primary level, is a very strong means of establishing *al-Adl* in the society. It not only is a powerful redistributive mechanism but is also required to equalize opportunities in order to bring out the best in Man. It is for this reason that Islam declares the acquisition of knowledge to be the most sacred pursuit of Man, who has been advised to pray constantly: "My Lord! Increase me in knowledge" (al-Qur'an, 20:114).

(iii) ECONOMIC GROWTH: Economic growth in the Islamic perspective is required to attain *dynamic* social justice. Equity must hold not only within a generation but between generations as well. As such, economic growth cannot violate the requirement of *al-Adl*: the scarce resources of the society can neither be squandered away on the consumption of the present generation, nor stored away for posterity beyond a certain point. In other words, the flow of consumption must be optimized not only at a given point in time but also over time. Such a strategy will rule out both a profligate spending behaviour, which lowers domestic savings below the optimal level, and an excessive abstention from present consumption, which forces saving to be above this level. It should, therefore, be obvious that the quality of *al-Adl* defines both the lower and the upper limits on the socially desirable rate of economic growth.

(iv) MAXIMUM EMPLOYMENT GENERATION: Economic growth must also maximize employment generation in order to make the greatest contribution to human happiness. However, for this to be an economically efficient process it is essential that capital/labour ratios correspond to the resource endowment of the country. In a labour-abundant economy like Pakistan's, the capital/labour ratio must be low enough for economic growth to generate maximum employment opportunities. This would, in turn, require an appropriate choice of techniques, which, in the long run, can be promoted only by making heavy investments in human capital formation.

(v) IMPROVING THE QUALITY OF LIFE: The requirement of *al-Ahsan* will generally reinforce the process of securing *al-Adl*, because social justice requires the poor to be moved up and the rich to be moved down the scale of social hierarchy in line with the clear Qur'anic commandment, quoted above: "Whoso is rich let him abstain generously, and whoso is poor let him take thereof in reason" (4:6). In the context of an economy like Pakistan's, it will take considerable social effort to improve the quality of life not only in financial terms but also in real terms. A diversion of real resources from the rich to the poor, without demanding any *quid pro quo* from the latter, will be necessary if abject poverty is to be eradicated and the opportunities for social advancement are made accessible to all.

ALL the 'indicators' of the Islamic economic system specified above unmistakably point to the humane economic philosophy of Islam, whose kingpin is *al-Adl wal-Ahsan*. The holy Qur'an is explicit on what the individual and the society should be doing: "Lo! Allah enjoineth Justice and Kindness *(al-Adl wal-Ahsan)*" (16:90). These two basic attributes of Islam translate into an economic system which explicitly aims at re-establishing a delicate balance between social and economic forces, *with a clear 'bias' in favour of the poor and the economically weak*. The holy Qur'an explicitly lays down the ultimate requirement that Islamic economic policy must meet: "And We desired to show favour unto those who were oppressed in the earth. And to make them examples and make them the inheritors, and to establish them on earth...." (28:5-6). In fact, according to the holy Qur'an, the poor of the society have a *right* to the wealth of the rich: "And in their wealth the beggar and the outcast (i.e. destitute) had due share" (51:19). The implementation of this Divine commandment on the economic plane would require a heavy redistribution of income and wealth from the rich to the poor.

Two Points

Two points should therefore be crystal clear about an Islamic economic system:

(i) It must enforce a balance—'equilibrium'—among the consumption, production and distribution relations in the society. This must come about by virtue of God's commandment to establish *al-Adl*; and

(ii) The second part of God's commandment—i.e. *al-Ahsan*—requires that economic policies in Islamic economy have a distinct tilt towards the poor. Not only that: the process of pushing up the poor along the scale of social hierarchy must continue until the 'oppressed' in the land finally attain a 'respectable' status in the society.

These overriding Islamic requirements can be met if economic policy is geared to the attainment of the following objectives:

(i) Social Justice;
(ii) Universal Education;
(iii) Economic Growth;
(iv) Maximum Employment Generation; and
(v) Improving the Quality of Life.

True, these are the objectives of any economic system; but that does not disqualify them from being the objectives of the Islamic economic system as well, *particularly as they follow directly from Islam's own distinctive economic philosophy*; and the reasons for the avowal of these policy objectives are not the same as in other economic systems.

(i) SOCIAL JUSTICE: Social Justice follows from *al-Adl*, since there can be no justice without a delicate balance among various social and economic forces. In fact, *al-Adl* requires that social justice must obtain in every walk of life so that Divine unity can be realized in the plane of social existence. It has been commanded again and again to realize and maintain the quality of justice under all circumstances. In

provided with a minimum of sustenance: "There is no moving creature on earth but its sustenance is upon God" (al-Qur'an, 9:6). Thus the existence of hunger and abject poverty is entirely man-made and a direct result of an unjust economic system. The Islamic system, with its heavy emphasis on the act of 'giving' as the essence of a just socio-economic ordering, must, to reflect God's intention, devise ways and means of checking individual greed, so that all members of the society get a minimum of sustence.

Hence to introduce Islamic reform in a society like Pakistan, the structure of which has been raised on the capitalistic principles, it will be essential for the State to take up increasing responsibilities to ensure the satisfaction of the society's demand for such 'basic needs' as health, education and housing. In doing so, the consumer sovereignty will have to be sharply curtailed, though not entirely eliminated, so that enough resources are relased for financing an elaborate public sector programme to fight poverty, hunger and widespread economic deprivation.

(iii) THE CHARACTER OF THE INCENTIVE SYSTEM: Another important factor distinguishing one economic system from another is the kind of economic incentives that keep the system going. In particular, the place accorded to price incentives—viz. profits, interest, rents and wages as sources of income—in a given economic system determines its character. For instance, in a 'pure' capitalistic setting, profits and rents tend to grow at a rate faster than that of wages to allow the investible surplus to accumulate. In Pakistan, such a strategy did in fact operate during the Sixties, when government policies consciously let profits multiply while increases in wages were restricted to maximize the flow of investible surplus in the corporate sector. Such a strategy was based on an explicit acceptance of income and wealth differentials, which were allowed to grow even further, as a means of achieving rapid growth rates. In socialistic societies, where profits accrue to the State, disproportionate amounts are reinvested into the production of capital goods industries. Thus consumption is restrained and capital formation accelerated, causing economic hardships on the common man. Islam would reject both of these extremist economic strategies. *It would not--- as it cannot--- use widening income differentials as a policy instrument to promote capital formation and economic growth by virtue of its commitment to al-Adl wal-Ahsan.*

(iv&v) THE RESOURCE ALLOCATING MECHANISM AND THE LOCATION OF DECISION MAKING: The observations just made have a direct bearing on the character of the resource-allocating mechanism and the economic decision-making process in an Islamic economy. As pointed out above, while the private sector will have a due place in it, the public sector will be called upon in an Islamic economy to assume, among other things, a predominant role as a producer of 'wage goods'. For social welfare requires not only a transfer of financial resources from the rich to the poor, but a diversion of *real* resources to the production of the basic necessities of life—and away from non-essential and luxury production. In other words, the very composition of the 'consumer-goods basket' in an Islamic economy will require the State to play a tangible role in it. The matter is too important to be left to the 'invisible hand' of the market forces.

right to private property in Islam gets vastly qualified, limiting severely the sphere of ownership itself. There is a complete unanimity among Muslim scholars that such things as grazing lands, natural forests and water resources, mines, roads, graveyards and places of congregational prayers cannot be privately owned. As for land, ownership rights are liable to be lost if such land lies unreclaimed or is not used for three consecutive years.

A more difficult matter is that of inherited wealth. Does an individual have an unrestricted right to whatever wealth he inherits from his parents? Again, can the State do nothing to take into public custody a part or the whole of what a person inherits? There is a view that since the individual is a legal owner of inherited property, the State cannot impose death duties, nor can it take away any part of it. This may be so, but does it follow that the State can take no measures whatsoever to ensure an Islamically just redistribution of all property? To hold such a position on the basis of the specious argument that the law of inheritance is sufficient to redistribute wealth equitably, in the sense of preempting all distributive initiative of the State, is really to miss the whole point about the heavily egalitarian economic philosophy of Islam.

RICH AND THE POOR

There is the unequivocal Qur'anic commandment: "Whoso is rich let him abstain generously, and whoso is poor let him take thereof in reason" (al-Qur'an, 4:6). It follows that even though, to begin with, there may be such a thing as the coexistence of the rich and the poor, it need not persist—at least the gulf between the two should not widen over time—after the redistribution of wealth ordained by Islam has taken hold. The argument for adopting measures to redistribute private property more widely gains further strength from the fact that we are living in a non-Islamic economic system, marked with gross inequities in the ownership of wealth, or which land is a very substantial element. Hence, in order to make a decisive move towards the Islamic Ideal it is essential that, *to begin with*, the total private property in the community, both rural and urban, is redistributed in a more just fashion. To maintain that nothing can be done about redistributing private property more widely in the society, so that it remains locked within certain families through inheritance, would really amount to taking the absurd position that the existing distribution of wealth is in accordance with the Islamic precepts!

(ii) KIND OF ECONOMIC FREEDOMS: The principle of consumer sovereignty, held so dear in capitalistic societies, and its total suppression as practiced in socialistic societies, are anathematical to the 'moderate' egalitarian philosophy of Islam. In Islam, individual freedom has been appropriately balanced by social responsibility, as contained in its ethical principles. The Islamic view is founded on an explicit realization of the 'fact' that Man is greedy and selfish by nature. If left to himself, he would not do much for others in the society. The holy Qur'an attests to this aspect of Man's nature: "Say if you possessed the treasures of the Lord's mercy, yet would you hold them back for fear of expending and Man is ever niggardly" (17:100). On the other hand, it is the 'intention' of God that everybody should be

Islamic) economic systems will have to be taken as the natural starting point from where to move towards the Islamic Ideal.

PRIORITY LIST

It is, therefore, essential that the priority list of the elements of Islamic reform be drawn up with a view to minimizing the evils of the *existing* economic system. For instance, a highly skewed distribution of income and wealth, high levels of open unemployment and disguised unemployment, socially unacceptable levels of literacy rates, allocative inefficiency, low level of business and public morality, etc., are the major 'pollutants' of the economic environment in developing countries like Pakistan. True, public policy under any economic system must squarely meet these problems but that does not mean that the Islamic system should not face up to them. The distinctive character of the Islamic system which sets it apart from existing non-Islamic economic systems lies in its outlook on these problems, and in the way that it seeks to meet them. In fact, the presumption is that the Islamic system will succeed where other systems have failed, together with the belief that it will provide a unified framework within which the successful pursuit of the abovementioned objectives will also contribute to spiritual salvation.

THE CHARACTER OF AN ISLAMIC ECONOMIC SYSTEM: If the assertion is made, as we have made in this Report, that the Islamic system should be seen in its "totality", then the next question is: what is the Islamic economic system? Exact definition of systems is quite often a treacherous territory; such definitions can be made broad enough to accommodate "everything under the sun", or they may be much too restrictive. Definitions of the former type are meaningless as analytical devices, while those of the latter type have little explanatory power. However, like an elephant which can be fairly accurately described though not defined, economic systems can also be identified and compared in terms of certain basic properties. As recent work on comparative systems analysis has shown, the attitude on the following matters locates the distinctive character of an economic system fairly accurately:

(i) Property relations;
(ii) Kinds of economic freedoms;
(iii) The character of the incentive system;
(iv) The character of the co-coordinating or the resource-allocating mechanism; and
(v) Location and system of decision-making.

(i) PROPERTY RELATIONS: The basic characteristic of an Islamic system is its attitude towards private property. In the Islamic perspective, all wealth belongs to Allah: "Unto Allah belongeth whatever is in the heaven and whatsoever is in the earth" (al-Qur'an, 3:129). Accordingly, Man is only a trustee of whatever he has and *not* its owner: "and spend whereof He hath made you trustees" (al-Qur'an, 57:7). This Islamic position is unique and can easily be distinguished from the position of Capitalism where the private ownership of wealth is a sacred institution to be preserved at all cost as well as from the position of Socialism where all wealth belongs to the State. It should be clear that, because of the concept of trusteeship, the

Agenda For

Islamic Economic Reform

The Chief Executive Pakistan may kindly consider the desirability to implement the report of the Committee on Islamisation appointed by the Government of Pakistan, entitled ***"An Agenda for Islamic Economic Reforms"*** *published by Pakistan Institute of Development Economics in May 1980. (Idara Tolu-e-Islam)*

There is a consensus among Muslim scholars that Islam's is a 'complete' system. Its clear perception of the Unity of all life process-social, economic and religious- is Islam's original contribution to civilization, and offers the best hope to the Muslims to re-order their socio-economic affairs according to the tenets of Islam. All this is clear enough.

However, the full implications of the unitary, Islamic philosophy are not always so clearly understood. Specific recommendations to "Islamise" existing economic systems tend to ignore inherent incompatibilities between the Islamic and other economic systems. For instance, profit-sharing in business transactions, which properly belongs to an Islamic system, has been proposed to replace interest *within the framework of a capitalistic economic system*—a system built upon the limited-liability principle which interest represents. That such a transplantation may, in fact, aggravate the worst characteristic of Capitalism—viz. economic exploitation of the poor by the rich—does not seem to have occurred to the proponents of such ideas.

This is just one instance of a general principle that social and economic systems are 'complete' *entities*, with a set of distinctive value premises and the logical consequences of those premises. Hence, elements of one economic system cannot be moved at will across different economic systems. It is therefore essential that the Islamic system be viewed in its "totality". Furthermore, in introducing the Islamic system, specific elements of the reform should be looked at in relation to this "totality". However, it should be noted that when the "totality" of the Islamic system is emphasized, it does not necessarily mean that isolated steps to implement the Islamic reform should not be taken. However, what it does mean is that:

(i) These isolated steps should directly contribute to the ultimate realization of the total Islamic system; and

(ii) Such steps should be appropriately "ordered", singling out those which contribute the most to achieving basic objectives of the Islamic economy. An important consideration in this context is the fact that, *to begin with* the existing (non-

INTERNATIONAL RELATIONSHIP

The object before the holy Quran is to remove all differences that exist amongst mankind and to make it one brotherhood thus it is said: (10:19) Mankind was but one nation, Then they created differences among themselves.

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبين مبشرين و منذرين وانزل معهم الكتب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ماجاء تهم البينت بغيا بينهم فهدى الله الذين امنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ○ -(2:213)

"Then Allah sent messengers with glad tidings and warnings and with them He sent the Book in truth (the code of law), to judge between people in matters wherein they differed."

For this the establishment of an Islamic state in a particular land serves as a laboratory. And the Islamic state of this country shall cooperate with all other people in the world, in matters which are beneficial for the whole of mankind, but on the other hand it shall not cooperate with them in matters that are deleterious for humanity. Thus the believers are addressed as follows---

تعاونوا على البر و التقوى ولا تعاونوا على الاثم و العدوان (5:2)-

"You cooperate with one another in matters of broad mindedness and matters consistent with the divine laws, and do not cooperate in matters of sin and enmity i.e., the matters which trespass the limits laid down by the divine laws."

Thus a universal law has been laid down---

و اما ما ينفع الناس فيمكث فى الارض .... (13:17)-

"For that which is for the good of mankind remains on the earth". The same principle shall form the basis of its foreign policy. To remove lawlessness and to restore peace shall be the objectives of this state and "Do not spread mischief in the world" stands as its respected objective. The respect for mankind is the central policy of this state (17:70). The land on which such a praiseworthy state exists needs a strong frontier i.e. a strong protection against the enemy.

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم و اخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم ..... (8:60)-

"Against them make ready your strength to the utmost of your power, including steeds of war to strike terror into the hearts of the enemies of Allah and your enemies, and others besides whom you may not know but Allah does know."

****

"O ye who believe! Take not for protectors your fathers and your brothers if they love infidelity above faith. If any of you do so, they do wrong.

قل ان كان اباؤكم و ابناؤ كم و اخوانكم و ازواجكم و عشيرتكم و اموال اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها و مسكن ترضونها احب اليكم من الله و رسوله وجهاد فى سبيله فتربصوا حتى ياتى الله بامره والله لا يهدى القوم الفسقين ○ (9:24)-

"Say: If it be that your fathers, your sons, your brothers, your mates or your kindred; the wealth that ye have gained; the commerce in which your fear a decline or the dwellings in which ye delight- are dearer to you than Allah, and His Rasool—or the striving in His cause—then wait until Allah brings about His decision: And Allah guides not the rebellious."

That Is No Short Sightedness

Some people object to the above-said concept and consider it to be short-sightedness. But no system based on ideology shall accept, as partners in state affairs, those who are against that ideology. Not to speak of ideology, even in the current democratic governments the party in power does not allow the opposition party to take part in the administration. But in the case of Islam the matter goes further. The constitution of an Islamic state is its ideology. Those who do not accept its ideology, as a matter of fact do not accept its constitution. Now just consider, if there is any state in the world which could possibly admit as partners those who do not accept its constitution? Shall it not be strange that whereas the object of an Islamic State shall be to put into practice the Divine Laws and to achieve this objective they shall accept as partners those who are against the objective itself?

Kind Treatment With The Non-Muslims Living In An Islamic State

But it by no means follows that non-Muslims have no rights in an Islamic state. They shall have all the rights which the Quran declares as basic human rights. Their life, property, honour and places of worship shall be protected. They shall have the religious freedom. They shall be treated kindly (60:8). As a matter of fact, in one way, they shall even be in a better position than the Muslims. When an enemy attacks a Muslim country, the Muslim armies shall protect the places of worship of non-Muslims (22:40). In case the non-Muslims of an Islamic State want to migrate to a non-Muslim country, they shall be provided security to reach their destination:

وان احد من المشركين استجارك فاجره حتى يسمع كلم الله ثم ابلغه ما منه ذلك بانهم قوم لا يعلمون (9:6)-

"If one amongst the Pagans ask thee for asylum, grant it to him, so that he may hear the word of Allah and then escort him to where he can be secure; that is because they are men who do not know (the benefits of remaining in an Islamic State)."

But if they stay in an Islamic State and at the same time rebel against its constitution, they shall be punished for the rebellion (5:36). The punishment for rebellion is the same whether he be a Muslim or a non-Muslim.

ولا يزيد الكفرين كفر هم عند ربهم الا مقتا ولا يزيد الكفرين كفرهم الا خسارا ○ (35: 39)

"Their rejection but adds to the odium for the unbelievers in the sight of their Rabb. Their rejection but adds to their own loss."

It is a pity that the unbelievers have themselves closed the doors to the gift and privileges (36:30) يٰحسرة على العباد Ah! alas for my servants."

But the cure for this ailment lies in their own hands. The door is always open to them. Any time they realize their mistake, they can enter this door by accepting the ideology.

The non-believers shall not take part in the secrets of an Islamic state.

Non-Believers who live within the boundaries of an Islamic state, if they do not accept the ideology of the state, they cannot take part in the working of its government, nor can they be relied upon in the case of secrets of the state. The Quran has fully clarified this point when it is said:

يايها الذين امنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يالونكم خبالا و دوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفى صدورهم اكبر قد بينا لكم الايت ان كنتم تعقلون ○ (3:118)-

"O ye who believe! Take not into intimacy those outside your ranks. They will not fail to corrupt you. They only desire your ruin: rank hatred has already appeared from their mouths: what their hearts conceal is far worse. We have made plain to you the signs, if you have wisdom."

هانتم اولاء تحبونهم ولا يحبونكم و تومنون بالكتب كله و اذا لقوكم قالوآ امنا و اذا خلوا عضوا عليكم الانامل من الغيظ قل موتوا بغيظكم ان الله عليم بذات الصدور ○ (3:119)-

"Ah! You are those who love them. But they love you not.--- though you believe in all the books (yours and theirs). When they meet you they say, "We believe (in your ideology)" but when they are alone, they bite off the very tips of their fingers at you in their rage. Say; Perish in you rage; Allah knows well all the secrets of the heart."

ان تمسسكم حسنة تسوهم و ان تصبكم سيئة يفرحوا بها و ان تصبروا و تتقوا لا يضركم كيدهم شيئا ان الله بما يعملون محيط ○ (3:120)-

"If ever a good befalls you, it grieves them. But if some misfortune overtakes you, they rejoice at it. (Remember!) if you are constant and take measures in order to protect yourselves, not the least harm will their cunning do to you, for Allah compasses round about all that they do."

The Quran gives this fact great importance. Thus it is said further;

يايها الذين امنوا لا تتخذوا اباء كم و اخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان ومن يتولهم منكم فاولئك هم الظلمون ○ (9:23)-

of colour, race, language, nativity and religion and asks them to thoroughly ponder over this ideology; and after this if one thinks that it is worthwhile he may accept it by his own free will. But if he does not think it worthwhile, he may reject it. Nobody shall be compelled to accept it:

لا اكراه فى الدين قد تبين الرشد من الغى ..... (2:256)-

"There is no compulsion (to follow) the way of life based on the Quranic Fundamentals. The right direction is henceforth distinct from error."

Again it is said:

انا انزلنا عليك الكتب للناس بالحق فمن اهتدى فلنفسه ومن ضل فانما يضل عليها وما انت عليهم بوكيل ۔ (39:41)-

"Verily We have revealed the Book to thee in Truth, for (instructing) mankind. He, then, that follows the right path by accepting this guidance, shall be benefited by it: but he that strays and follows the wrong path, shall injure his own self. Nor art thou (O Rasool!) set over them to bring them to the right path."

The Quran has thus left the door open for entry into the Islamic Ummah. Anybody who likes it may enter it:

ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلا ○ (73:19)-

"Whoso will, let him take a (straight) path towards his Rabb."

After this open declaration, if any body does not like to enter it, he shall be responsible for his own acts.

The same has been clarified further by saying:

هو الذى جعلكم خلٰئف فى الارض.... (35:39)-

"He it is Who has made you inheritors on the earth."

فمن كفر فعليه كفره ..... (35:39)-

"If then, any who rejects the path of Allah i.e. the constitution on which it is based its government, he himself shall be responsible for it". If he feels at a loss after this, he should not complain of it, because that is what he has achieved for himself. It is not possible that one does not accept an ideology, but become an equal partner in receiving the privileges and favours of Allah by those who accept it. If he is at a loss after this he should bear the loss."

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصلحت ليستخلفنهم فى الارض كما أستخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا يعبدوننى لا يشركون بى شيئا و من كفر بعد ذلک فاولئک هم الفسقون ○ (24:55)-

"Allah has promised those among you who believe and work deeds consistent with the divine laws, that He will of a surety grant them in the land inheritence (of power) as He granted it to those before them; that He will establish in authority their Deen (way of life) the one which He has chosen for them; and that he will change their state, after the fear (in which they lived) to one of security and peace. They will be subservient to Me alone and not associate aught with Me. Those who disbelieve after that, they are rebellions and wicked."

But the duty of an Islamic State is not only to enforce laws, but it is also incumbent upon it to bring about a change in the 'Nafs' or personality of the individuals. Thus it is said:

ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم..... (13:11)-

"Verily Allah will never change the condition of a people until they bring about a change in their innerselves."

This change in personality occurs by pondering over the Quranic teachings which invokes a desire to live a life in accordance with the divine values, and also brings about a respect for the divine laws. This change in the 'Selves' of the individuals can be brought about by their proper education, as well as by the personal character of those at the head of the government.

THE POSITION OF NON-MUSLIMS IN AN ISLAMIC STATE

This is an important question which must be thoroughly understood. In the modern politics of the world, individuals form a Nation on the basis of a common abode or country, or on the basis of a common race, particularly the former. It means that all individuals living in a country in spite of having different creeds, form a nation. But according to the holy Quran, a nation comes into existence on the basis of ideology; which means that those people who accept the Islamic ideology, form one nation and those who do not accept that ideology are outside the circle of this nation, although they may be the inhabitants of the same country. The Quran has divided humanity on the basis of this standard:

هو الذى خلقكم فمنكم كافر و منكم مومن ..... (64:2)-

"It is He Who has created all of you, some of you are non-believers and some of you are believers."

Thus according to the holy Quran, this is the only criterion for the division of mankind. The Quran presents its ideology to the whole world without any distinction

by Allah remains anymore, nor an Islamic State can come into existence. "Deen" or an Islamic State simply means that the Book of Allah is a guiding code, with the central authority controlling it. In this state, one solid Ummah shall encircle the centre.

That it is said:

و اعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا و كنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذلك يبين الله لكم ايته لعلكم تهتدون (3:103)

"And hold fast all together, by the rope which Allah (stretches out for you) and be not divided among yourselves; and remember with gratitude Allah's favour on you; for you were each other's enemies and he joined your hearts in love, so that by His Grace you became brethren; and you were on the brink of the pit of fire, and He saved you from it. Thus does Allah make His signs clear to you, so that the way of your life may become definitely clearer to you."

According to the holy Quran, the greatest blunder that Pharaoh had committed was that he broke its people into parties.

Religious Leadership

In a Quranic social order, the concept of religious leadership is non-existent. In it the decisions made by the state shall be called shariya laws which shall be implemented only by the government. That is what is meant by (امر بالمعروف و نہی عن المنکر). The injunctions shall encircle all aspects of life. The difference between religion and politics, or of 'Deen' and 'Dunya' shall be considered absolutely un-Islamic; and the separation of pulic laws from personal laws shall be considered as the creation of a secular regime. The Quranic injunctions and values shall encircle all spheres of life, whether public or personal. These injunctions shall be taught in schools and colleges run by the government and the literature based on the above-said injunctions and values shall be distributed amongst the public. Accordingly (دارالعلوم) religious schools and (علماء) religious leaders shall become non-existent.

The Component Elements Of An Islamic State

These elements are 1) The Book of Allah 2) The balance of justice and the enforcing authority. The state becomes un-Islamic if any of these three elements are missing. Thus it is said:

لقد ارسلنا رسلنا بالبينت وانزلنا معهم الكتب والميزان ليقوم الناس بالقسط وانزلنا الحديد فيه باس شديد و منافع للناس وليعلم الله من ينصره و رسله بالغيب ان الله قوى عزيز ○

"Certainly We sent our messengers with clear signs and sent down with them the Book and the Balance, (of right and wrong) that mankind may stand forth in justice; and We sent down iron wherein is great violence, (which helps to maintain Justice) as well as there are many benefits for mankind, that Allah may know who helps Him and His messengers unseen in the maintènance of the Quranic social order. Surely Allah is strong and mighty."

The object of an Islamic state is further clarified as follows:

Open Letter to the Honourable Chief Executive of Pakistan

By
Dr. Syed Abdul Wadud

(Open Letter No.4)

Honorable Sir!

In view of the fact that in an Islamic State the entire organization is subject to the will of Allah the Almighty, I hereby explain further the other basic requirements of an Islamic regime, as ordained by the holy Quran.

PARTY SYSTEM

According to holy Quran the entire Ummah is one party. It does not include the non-Muslims. The presence of political parties or religious parties within the Ummah is infidelity. Thus it is said—

(30:31-32)
منيبين اليه واتقوه و اقيموا الصلوٰة ولا تكونوا من المشركين ○ من الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا كل حزب بما لديهم فرحون ○ (30:31-32)-

"Turn unto Him (and Him alone) and be afraid (of the consequences of turning away from His laws, establish 'Salat' (i.e., the social order based on His guidance) and be not among those who follow laws other than His and thus set up peers to Allah i.e., be not of those who create cleavage in their social order and resolve themselves into various sects where each sect is obsessed with its own view of it."

Again it is said:

(6:160)
ان الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم فى شى ء انما امرهم الى الله ثم ينبئهم بما كانوا يفعلون ○ (6:160)-

"Those who create differences in Deen (i.e. the way of life prescribed by Allah) and divide themselves into sects (O Rasool) you have nothing to do with them. Leave their affairs for the law of Allah to decide. That will tell them how they acted."

Again it is said:

ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء هم البينت و اولئك لهم عذاب عظيم ○ (3:105)-

"Be not like those who are divided amongst themselves and fall into disputations after receiving clear signs: for them is a dreadful penalty."

From the above as well as other verses of the Quran it becomes clear that when the Ummah gets divided into sects or parties, neither the way of life prescribe